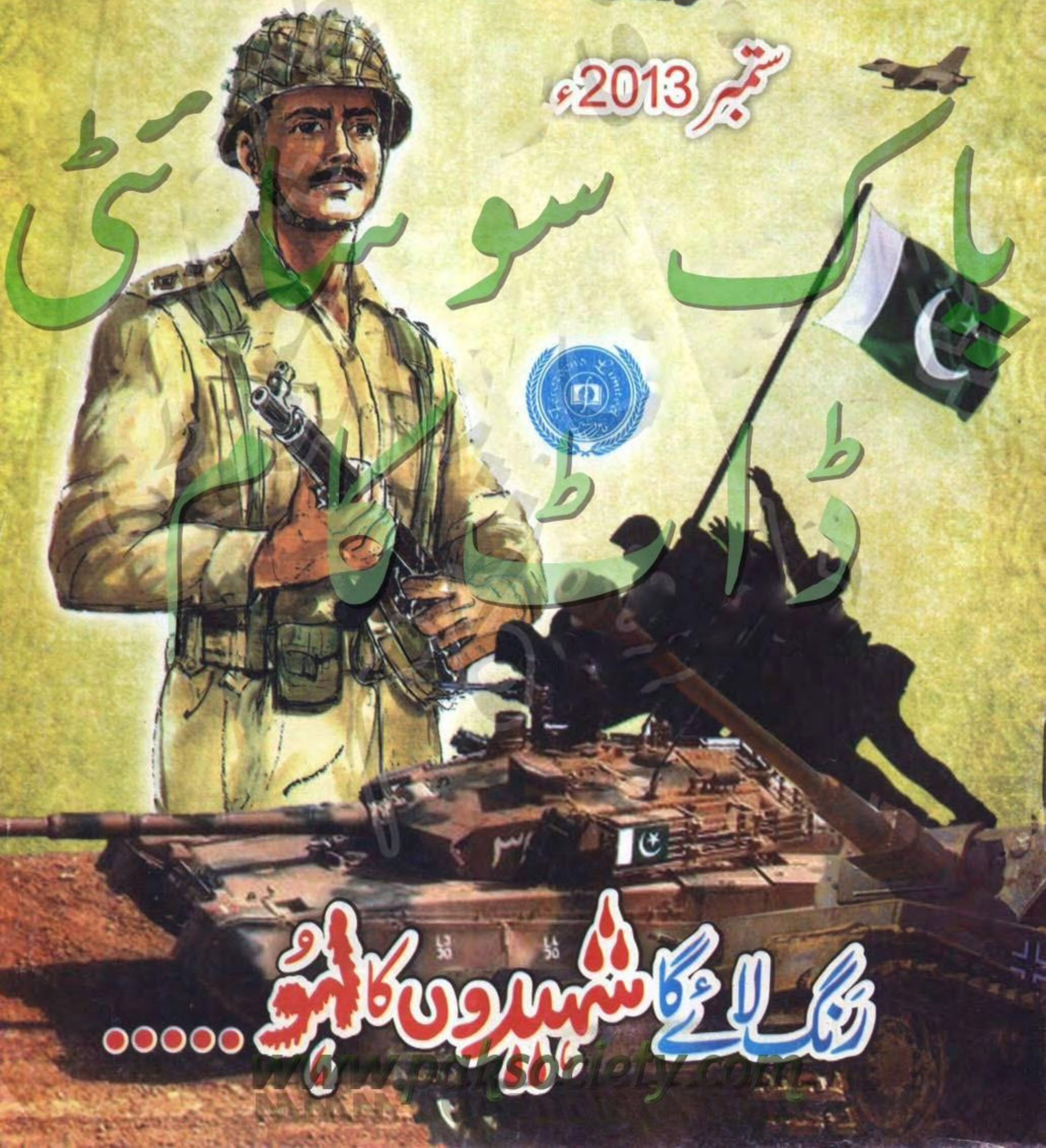


تعلیم و تربیت



ستمبر 2013ء



رنگ لائے شہیدوں کا نام

www.paksociety.com

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا
بچوں کا محبوب رسالہ

ستمبر 2013ء

تعلیم و تربیت

رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی

73 واں سال پانچواں شمارہ

اس شمارے میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

قوموں کی زندگی میں بعض موڑ ایسے آتے ہیں کہ وہ دن ان کی شناخت اور فخر کی علامت بن جاتا ہے۔ 6 ستمبر یوم دفاع پاکستانی قوم کے لیے بھی ایک ایسا ہی دن تھا جب ساری قوم دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔ ستمبر کی اس تاریخ کو آج سے 48 سال پہلے بھارت نے ہماری سرحدوں پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا مگر ہماری بہادر، غیور افواج نے سترہ دن کی اس جنگ میں دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے اور اسے عبرت ناک شکست دی۔ اس شان دار فتح کی یاد میں یہ دن پاکستانی قوم پورے جوش و جذبے کے ساتھ مناتی ہے۔ اس مہینے کی 11 تاریخ کو بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح ہم سے جدا ہوئے تھے۔ آپ بے باک، نڈر اور قوم کے عظیم محسن تھے۔ آپ کی ان تھک محنت اور لگن سے ہمیں یہ پیارا ملک پاکستان ملا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں بلند مقام عطا فرمائے اور ہمیں ان کی تعلیمات پر سچے دل سے عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

پیارے بچو! ہم ہر سال اپنے قومی دن بہت جوش و جذبے سے مناتے ہیں۔ ان پر سیمینارز، تقاریر، مضامین اور کہانیاں لکھی جاتی ہیں۔ یہی مشق اگلے سال دہرائی جاتی ہے لیکن کبھی آپ نے سوچا کہ ہمیں اس سے کیا حاصل ہوا۔ دن منانے کا اصل مقصد تو یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے قومی ہیروز، عظیم شخصیات کے سیرت و کردار کی خوبیوں کو اپنائیں۔ ان یادگار دنوں میں تجدید عہد کرتے ہوئے حب الوطنی کے جذبے کو تقویت دیں اور عملی طور پر اپنے کردار میں مثبت تبدیلیاں لائیں۔ یہی زندہ قوموں کا شعار ہے اور ہم یقیناً ایک زندہ قوم کے حامل افراد ہیں۔

تعلیم و تربیت کا شمارہ جس وقت آپ کو ملے گا، ان دنوں آپ کے اسکول کھل گئے ہوں گے۔ آپ نئے جذبوں، نئی خوشیوں اور لگن کے ساتھ پڑھائی شروع کریں۔ خوب دل لگا کر پڑھیے اور امتحان میں شاندار کامیابی حاصل کیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سنہری کامیابیوں سے ہم کنار کرے۔ آمین!

پیارے بچو! آپ نے جس محبت اور ذوق و شوق سے اگست کا شمارہ پسند کیا ہے اور اسے جو پذیرائی بخشی ہے، اس کے لیے ہم تہہ دل سے ممنون و مشکور ہیں۔ اب یہ شمارہ زندہ و تابندہ تحریروں کے ساتھ آپ کو کیسا لگا، ہمیں ضرور آگاہ کیجیے گا۔ باقی باتیں ان شاء اللہ اگلے ماہ ہوں۔

اب اس ماہ کا رسالہ پڑھیے اور اپنی آراء اور تجاویز سے آگاہ کیجیے۔ خوش رہیں، شاد رہیں اور آباد رہیں۔

فی امان اللہ! (ایڈیٹر)

سرکولیشن اسٹنٹ

مشیر

اسٹنٹ ایڈیٹر

ایڈیٹر، پبلشر

چیف ایڈیٹر

محمد بشیر راہی

سعید لخت

عابدہ اصغر

ظہیر سلام

عبدالسلام

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ تعلیم و تربیت 32 - ایپریس روڈ، لاہور۔

UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-6278816

E-mail: tot.tarbiatfs@gmail.com

tot tarbiatfs@live.com

پرنٹر: ظہیر سلام

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔

سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائد اعظم، لاہور۔

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت ہفتگی بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت

میں سرکولیشن مینجر: ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32 - ایپریس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔

فون: 36361309-36361310 فیکس: 6278816

اور بہت سے دل چپ تراشے اور سلیٹ
سرورق: یوم دفاع

قیمت فی پرچہ:
25 روپے

WWW.PAKSOCIETY.COM

نعت رسول مقبولؐ

تصور سے خدائی ان سے آئی
انہی سے یہ بصیرت ہم نے پائی
ترے غارِ حرا کی روشنی سے
خدا کی یہ خدائی جگمگائی
ترے علم و عمل کی برکتوں سے
بتوں سے ہم نے پائی ہے رہائی
ترے حسنین کے صدقے سے ہم کو
رہِ جنت کی حاصل رہنمائی
ترے سلمانؓ، بوذرؓ کی بدولت
سمجھ میں آئی فکرِ پارسائی
کرامت نعت لکھی ہے جو میں نے
یہ میری روح نے بھی گنگنائی

حمد باری تعالیٰ

اے خدایا خدایا خدا
موڑ دے اپنی رحمت کا دھارا
تیری بخشش کے طالب ہیں سارے
سب کو مشکل میں تیرا سہارا
تیری مخلوق تیرا ہے کنبہ
اور کنبہ بھی ہے پیارا پیارا
علم و حکمت مجھے بھی عطا ہو
آگے بڑھنے کا ہو مجھ میں یارا
مجھ کو صحت بھی دے زندگی بھی
میں بھی ہوں اک مصیبت کا مارا
کوئی طوفاں نہ تیزی دکھائے
اور قسمت میں ہو بس کنارے

کرامت بخاری

راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا

چیز کو ہٹا دینا چاہیے کیوں کہ اس سے کسی کا راستہ تنگ ہوتا ہے یا تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس چھوٹے سے اور معمولی عمل کو بھی ایمان کا حصہ کہا گیا ہے اور جب ہم اس تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹا دیتے ہیں صرف یہ سوچ کر کہ کسی کو تکلیف ہوگی تو اللہ تعالیٰ کو یہ عمل بے حد پسند آتا ہے اور بخشش کا سامان میسر ہو جاتا ہے اور اس عمل کی برکت سے جنت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔

دیکھیے! حدیث میں ذکر ہوا کہ اس شخص نے اپنے مسلمان بھائیوں کا نفع سوچا اور ان سے تکلیف کو دور کیا، اس کے لیے مغفرت اور جنت کا سامان ہو گیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو اس سبب سے جنت میں مزے سے کروٹیں لیتے ہوئے دیکھا کہ اس نے راستہ سے ایک درخت کاٹ دیا تھا جو راستے میں گزرنے والوں کو تکلیف دیتا تھا۔

(مسلم شریف، کتاب البر والصلة والآداب)

پیارے بچو! جہاں ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا اجر و ثواب کا کام ہے اور اس سے جنت اور جنت کے مزے بھی ملتے ہیں تو وہاں ہمیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اگر ہم راستہ میں کوئی تکلیف دہ چیز ڈال دیں گے تو اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوں گے اور سزا بھی مل سکتی ہے۔

آئیے! ہم عہد کریں کہ ہم راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کریں گے اور خود سے کوئی تکلیف دہ چیز راستہ میں نہ ڈالیں گے تاکہ ہمارا پیارا رب ہم سے راضی ہو جائے۔

☆☆

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ایمان کے ساٹھ یا ستر سے اوپر کچھ شعبے ہیں جن میں سب سے افضل شعبہ لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے۔ (مسلم شریف، کتاب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے جس پر عمل کر کے میں فائدہ حاصل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دیا کرو۔ (مسلم شریف، کتاب البر والصلة والآداب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ:

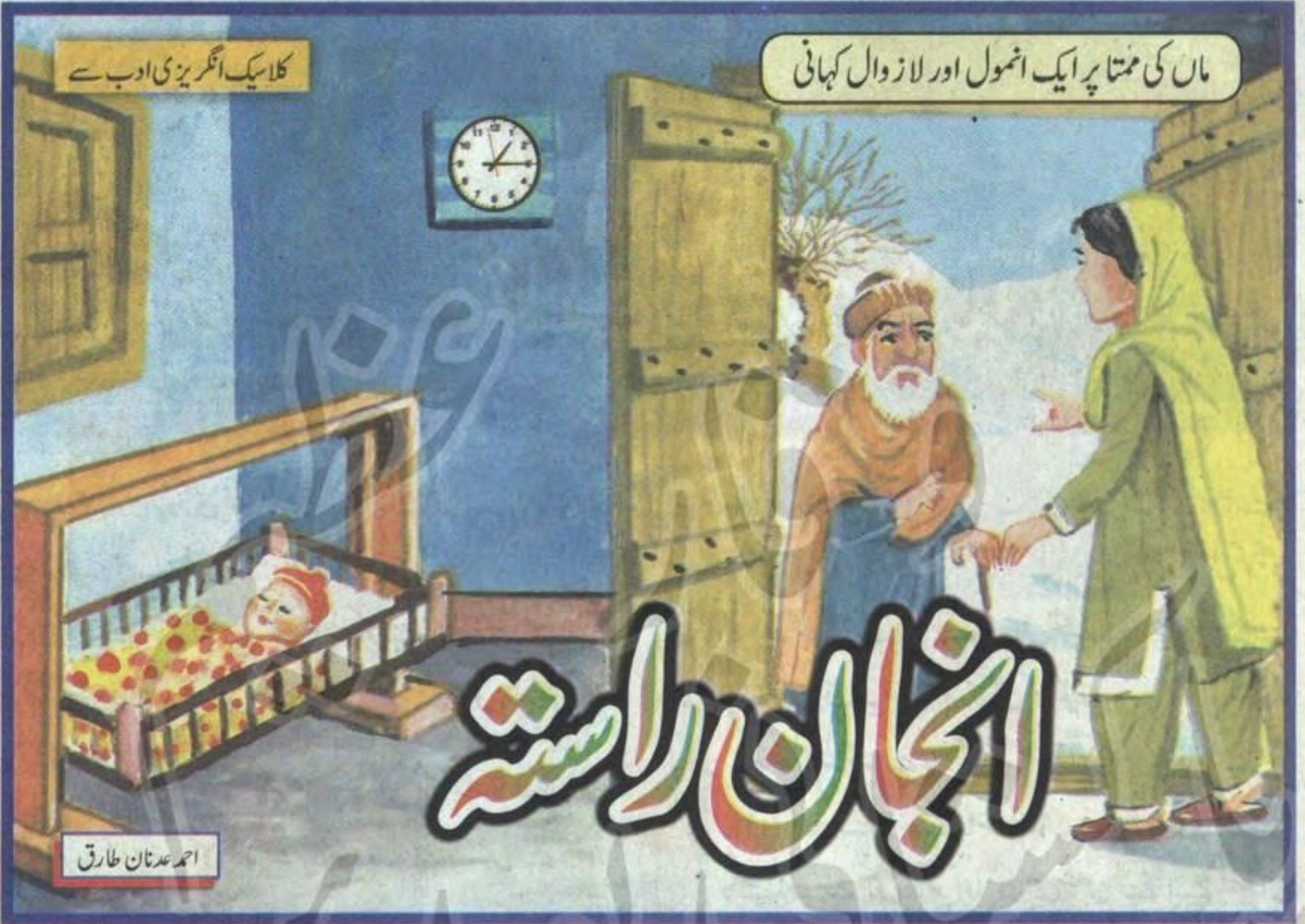
اس کا ایک درخت کی ٹہنی پر گزر ہوا جو راستہ میں پڑی تھی۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا کہ میں اس کو مسلمانوں کے راستے سے ضرور ہٹا دوں گا (اور اس نے اس کو ہٹا بھی دیا) اس وجہ سے وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔ (مسلم شریف، کتاب البر والصلة والآداب)

پیارے بچو! ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ راستوں میں جو کوئی بھی تکلیف دینے والی چیز مل جائے جس سے پاؤں پھسل جائے جیسے کیلے کا چھلکا یا ٹھوکر لگنے کا اندیشہ ہو جیسے پتھر یا اینٹ کا ٹکڑا یا درخت کی شاخ ہو جس سے راستہ تنگ ہو جائے یا کانٹے دار جھاڑی ہو اور کانٹا چبھنے کا اندیشہ ہو، راستہ سے اس تکلیف دہ



ماں کی منتا پر ایک انمول اور لازوال کہانی

کلاسیک انگریزی ادب سے



احمد عدنان طارق

انجمن راسخ

بچے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لینے آئی ہے۔ وہ کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھی ہی تھی کہ نیند سے بوجھل آنکھیں اسے نیند کی وادی میں لے گئیں لیکن ابھی چند ساعتیں ہی گزری ہوں گی کہ ایک سرد جھونکا اس کے جسم سے ٹکرایا۔ اس کی آنکھیں کھلیں تو وہاں نہ وہ بوڑھا تھا اور نہ ہی پالنے میں اس کا بیمار بچہ۔ دیوار پر لگے ہوئے کلاک سے اب گھر گھر رکی آوازیں آرہی تھیں۔ دروازہ چوٹ کھلا ہوا تھا۔ بخ بستہ ہوا کے تھپیڑے دروازے کو گویا جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والے تھے۔ ماں نے باہر نکل کر بوڑھے کو بہتری آوازیں دیں لیکن اس کی پکار ہوا کے شور میں دب گئی۔

باہر ہر طرف برف کی سفیدی تھی۔ ماسوائے کہیں کہیں سے درختوں کی جلی ہوئی لکڑی کا سیاہ رنگ نظر آتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک عورت سرتا پائیا سیاہ رنگ کا چغا پہنے برف میں بیٹھی ہے۔ اس عورت نے مجبور ماں کو بتایا کہ اس کے بچے کو موت لے گئی ہے۔ اس نے اسے بچہ لے جاتے ہوئے دیکھا ہے اور وہ اتنی تیزی سے سفر کر رہی تھی کہ کوئی تیز ہوا بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پھر اس نے ماں کو بتایا کہ وہ ”رات“ ہے اور وہ جب بھی

ایک غریب اور مجبور ماں اپنے ننھے بچے کے پالنے کے پاس غم سے نڈھال بیٹھی تھی۔ بچے کی آنکھیں نقاہت سے بند تھیں۔ رنگت پہلی ہو رہی تھی اور سانس کی ڈوری تھی کہ بس ٹوٹنے کو تھی۔ ماں اپنے بچے کی حالت دیکھ کر خود بھی ہوش میں نہ تھی۔ اتنے میں دروازے پر دستک سن کر غریب ماں نے دروازہ کھولا تو ایک بوڑھا کمزور شخص دروازے سے اندر آیا۔ وہ سردی کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ سردی سے بچنے کے لیے اس کے پہنے ہوئے کپڑے ناکافی تھے۔ گھر کے باہر ہر چیز پر برف کی دبیز تہ جمی ہوئی تھی اور تیز ہوا سے شریانوں میں خون جما جا رہا تھا۔

بچہ چند سیکنڈ نیند کی آغوش میں گیا تو بوڑھے مسافر کی حالت دیکھ کر غریب عورت نے اس کے لیے چائے بنائی اور بوڑھے کو بتانے لگی کہ بچے کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ تین راتوں سے نہیں سوئی اور ڈرتی ہے کہ کہیں وہ سو گئی تو موت اس کے بچے کو نہ لے جائے۔ بوڑھے نے اسے تسلی دی کہ وہ اگر سونا چاہے تو سو جائے، وہ بچے کا خیال کرے گا۔ بدنصیب ماں کو شاید بھی نہیں گزرا کہ بوڑھے آدمی کے روپ میں دراصل یہ موت ہی ہے جو اس کے

آتی تھی تو ماں کی لوری سنتی تھی جو وہ اپنے بچے کو سناتی تھی۔ ماں نے رات کی منت کی کہ وہ اسے بتائے کہ موت اس کے بچے کو کدھر لے گئی ہے؟ رات نے ماں کو راستہ بتانے کے بدلے اسے لوری سنانے کو کہا جو اسے بہت پسند تھی اور اسے وہ آنسو بھی بہت پسند تھے جو لوری سناتے ہوئے ماں کی آنکھوں میں جھللاتے تھے۔ ماں نے بہتیرا اسے کہا کہ اسے نہ رو کے مگر رات اس کے راستے میں کھڑی ہو گئی۔ مجبوراً ماں نے رات کو لوریاں سنائیں اور ساتھ بے



اختیار روتی رہی۔ کئی لوریاں تھیں مگر آنسو ان سے کہیں زیادہ تھے۔ تب رات نے اسے دائیں طرف جانے کو کہا اور اسے بتایا کہ راستے میں ایک گھنا جنگل آئے گا اس میں موت کے گھر جانے کو راستہ جاتا ہے۔ ماں دیوانہ وار چلتی ہوئی جنگل میں پہنچی اور عین جنگل کے وسط میں اسے ایک چوراہا ملا جہاں سے اسے معلوم نہیں تھا کہ اب اسے کس سمت میں جانا ہے۔ وہاں اس کی نظر ایک کانٹوں والی سیاہ جھاڑی پر پڑی جس پر نہ کوئی پتا تھا اور نہ ہی کوئی پھول۔ صرف اس کے کانٹوں پر برف اس طرح پڑی ہوئی تھی، جیسے سفید پھول اُگے ہوئے ہوں۔ ماں نے جھک کر جھاڑی سے پوچھا کہ کیا اس نے موت کو اس کا بچہ لے کر جاتے دیکھا ہے تو جھاڑی نے اثبات میں سر ہلایا اور ماں سے کہا کہ وہ اسے صرف ایک شرط پر راستہ بتائے گی کہ اگر ماں اپنے دل کی گرمی اسے پہنچائے گی، کیوں کہ اگر اسے یہ گرمی نہ ملی تو وہ جلد ہی برف کے نیچے دب کر ختم ہو جائے گی۔

ماں نے جھاڑی کو سینے سے لگا کر اتنی زور سے بھینچا کہ کئی کانٹے اسے چبھ گئے۔ کئی خون کے قطرے ماں کے دل سے نکلے

اور جھاڑی پر گرے جن کی گرمی سے گویا جھاڑی میں جان آ گئی اور اس کی خاردار ٹہنیوں پر سبز پتے اور پھول اُگ آئے۔ جھاڑی نے ماں کو فوراً راستہ بتا دیا۔ ماں نے ابھی تھوڑا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ راستے میں ایک جھیل آ گئی جس کو عبور کرنے کے لیے کوئی کشتی نہ تھی اور نہ ہی اس کی سطح اتنی جلی ہوئی تھی کہ اس کے اوپر سے گزرا جاسکے۔ وہ بے چارگی سے ادھر ادھر دوڑتی رہی مگر پھر کسی معجزے کے انتظار میں تھک کر جھیل کے کنارے بیٹھ گئی۔ تب جھیل نے اسے آواز دی اور اسے کہنے لگی کہ اس طرح تمہارا کام نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر بدلے میں وہ اسے کچھ دے سکتی ہے تو جھیل اسے اپنے اوپر سے گزار سکتی ہے۔ ماں نے ہامی بھری تو جھیل نے کہا کہ اسے سچے موتی اکٹھا کرنے کا شوق ہے۔ اگر وہ اتنا روئے کہ اس کی روشن خوب صورت آنکھیں موتی بن کر جھیل میں گر جائیں تو جھیل اسے موت کے گرم گھر کا پتا بتائے گی جہاں وہ اپنے پودوں اور پھولوں کا خیال کرتی ہے۔ دراصل ہر پودا اور پھول کسی انسانی زندگی کے زندہ ہونے کی نشانی ہے۔

ماں نے سوچا کہ پتا نہیں وہ اپنے بچے کو دوبارہ مل سکتی ہے یا نہیں؟ یہی سوچ کر وہ اتنا روئی کہ آخر اس کی آنکھیں آنسوؤں سمیت جھیل میں جا گریں اور دو چمکیلے سچے موتی بن گئیں۔ تب اسے ایسا لگا جیسے وہ کسی جھولے میں ہو کیوں کہ اب وہ دیکھ نہیں سکتی تھی۔ جھیل نے اسے اپنی لہروں سے اٹھایا اور دوسرے کنارے پر اتار دیا جہاں سے ایک میل کے فاصلے پر موت کا گھر تھا۔ اندھی ماں گرتی پڑتی موت کے گھر پہنچی اور وہاں کام کرنے والی بوڑھی عورت سے موت کا پوچھا تو اس نے حیرانی سے ماں کو دیکھتے ہوئے پوچھا کہ وہ یہاں تک کیسے پہنچی ہے؟

اندھی عورت نے بتایا کہ خدا نے اپنی مہربانی سے اسے یہاں تک پہنچایا ہے اور وہ بھی اس پر ترس کھا کر اسے بتا دے کہ وہ اپنے بچے کو کس طرح ڈھونڈے۔ بوڑھی ملازمہ نے اسے بتایا کہ یہ اُن گنت پودے اور پھول دراصل انسانی زندگی کے مطابق اُگے ہوئے ہیں۔ ہر انسانی زندگی میں دل کی دھڑکن کے مطابق اس کا پودا اور پھول ہے مگر تم دیکھ نہیں سکتی۔ ہر بچے کا دل دھڑکتا ہے لہذا تم بھی ادھر ادھر گھوم کر محسوس کرو تو شاید تمہیں اپنے بچے کا پودا مل جائے اور جب تم اسے ڈھونڈ لو تو مجھے بتانا۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ پھر کیا کرنا ہے؟ ماں نے کہا کہ وہ اپنے بچے کو تلاش کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہے مگر اب اس کے پاس دینے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ بوڑھی ملازمہ نے ماں سے اس کے خوب صورت سیاہ بال ہمیشہ کے لیے مانگ لیے اور اس کے بدلے اپنے سفید بال اسے دے دیے۔ پھر دونوں عورتیں موت کے گھر کے اندر گئیں جہاں ہر قسم کے پودے ہی پودے اُگے ہوئے تھے۔ کچھ خشکی پر، کچھ پانی کے اندر۔ پانی کے اندر اور باہر ہر پودے پر ایک انسانی نام لکھا ہوا تھا مگر ماں نے بڑے پودوں اور درختوں پر کہاں توجہ دینی تھی!! وہ دو زانو جھک کر نوزائیدہ پودوں کی دھڑکن پہچاننے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر آخر وہ ماں تھی، لاکھوں ننھے ننھے پودوں سے اس نے اپنے بچے کی زندگی کے پودے کو پہچان ہی لیا۔ اس نے چیخ کر ملازمہ کو بتایا اور پھر پودے کو چھونے ہی والی تھی کہ ملازمہ نے اُسے سختی سے روک دیا۔ اس نے ماں کو وہیں ٹھہرنے کو کہا جب تک کہ موت وہاں نہ آ

جائے۔ اس نے ماں کو بتایا کہ خدا کی مرضی کے بغیر کوئی پتا نہیں مل سکتا۔ لہذا جب موت آئے تو تم اسے کہنا کہ میں باقی ننھے پودے اکھیڑ دوں گی، ورنہ تم میرا بچہ مجھے واپس کر دو۔

پھر اچانک ہوا میں خنکی محسوس ہوئی۔ اندھی ماں کو بھی اندازہ ہو گیا کہ موت آن پہنچی ہے۔ ”تم نے میرا گھر کیسے تلاش کیا اور تم مجھ سے پہلے کیسے پہنچ گئیں؟“ موت نے اندھی ماں سے پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ اگر وہ موت ہے تو وہ ماں ہے۔ پھر موت نے اپنے لمبے ہاتھ پھیلانے اور چاہا کہ ننھے بچے کے پودے کو اکھاڑ لے مگر دہشت زدہ ماں نے پودے کو بچانے کے لیے اسے آغوش میں لے لیا۔ اسے موت کی ٹھنڈی سانس اپنے ہاتھوں پر محسوس ہوئی۔ اتنی ٹھنڈی کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ”تم ماں ہو کر بھی میرے خلاف کوئی طاقت نہیں رکھتی۔“ موت نے اندھی ماں سے کہا۔ ”مگر میرے رب کی طاقت سب سے زیادہ ہے۔“ ماں نے جواب دیا۔ ”میں اس کی مرضی کے بغیر پر نہیں مار سکتی۔ میں اس کے لیے صرف ایک مالی کام کرتی ہوں۔ میں اس کی مرضی سے تمام پودوں اور پھولوں کو جنت میں لے جاتی ہوں جو ایک انجانی دُنیا ہے۔ وہاں کیا ہے، میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔“ موت نے بتایا۔ اندھی ماں موت کے پیروں میں گر گئی اور گر گڑا کر اس سے اپنا بچہ مانگنے لگی مگر جب اس نے دیکھا کہ اس طرح کام نہیں بنے گا تو اس نے اپنے بچے کے پودے کے قریبی دو پودوں کو قبضہ میں کر کے موت کو کہا کہ اگر اس نے اس کا بچہ واپس نہ کیا تو وہ مجبوراً ان کو اکھاڑ دے گی۔

موت چلائی کہ ان کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ اگر تم ان کو اکھاڑ دو گی تو ان بچوں کی مائیں بھی تمہاری طرح روتی رہیں گی۔ اندھی ماں کو ماؤں کے درد کا اندازہ تھا۔ اس نے فوراً پودوں کو چھوڑ دیا۔ موت نے اندھی ماں کو اس کی آنکھیں واپس کر دیں جو وہ جھیل سے نکال کر لائی تھی۔ پھر اس نے ماں سے کہا کہ اگر وہ قریبی کنویں میں جھانکے تو اس میں ایسے پودے نظر آئیں گے جنہیں موت اللہ کے حکم سے جلدی اکھاڑنے والی ہے اور وہ پودے بھی جنہیں آگے ساری زندگی جینا ہے اور مستقبل قریب میں انہیں کوئی خطرہ

نہیں ہے۔ تب ماں نے ایک کنویں میں انسانی زندگی کے متعلقہ پودے پر لکھے ہوئے نام والے انسان کو دیکھا جس کی ساری زندگی خوشی سے بھرپور تھی اور ساری زندگی لوگوں کی خدمت کر کے گزاری تھی۔ پھر اس نے دوسرے پودے سے متعلق انسان دیکھا جس کی ساری زندگی دکھ، تکلیف، مجبوری اور گناہ سے بھری ہوئی تھی۔

ان دونوں کی لوح زندگی خدائے بزرگ و برتر نے لکھی ہے۔ موت نے ماں کو بتایا تو ماں نے پوچھا کہ خوشی کی زندگی کس کی ہے اور غم کی زندگی کس کی ہے؟ موت نے کہا کہ خوشی والی زندگی کے متعلق وہ نہیں بتا سکتی۔ البتہ دکھ، تکلیف، مجبوری اور درد سے بھری زندگی خود اس کے بچے کی ہے اور جو درد بھرا مستقبل تم نے دیکھا ہے وہ خود تمہارے بچے کا ہے۔

ماں خوف سے کپکپائی اور وہ موت کی منت کرنے لگی کہ خدا

کے واسطے اگر میرے بچے کا مستقبل اتنا درد بھرا ہے تو ابھی اسے لے جاؤ۔ میرے آنسوؤں پر نہ جاؤ اور میں نے اب تک جو درد برداشت کیا ہے، اسے بھول جاؤ۔ میرے بچے کی تکلیف میں اضافہ ہو، میں یہ نہیں چاہتی۔ تم اسے خدا کے گھر جنت میں لے جاؤ۔

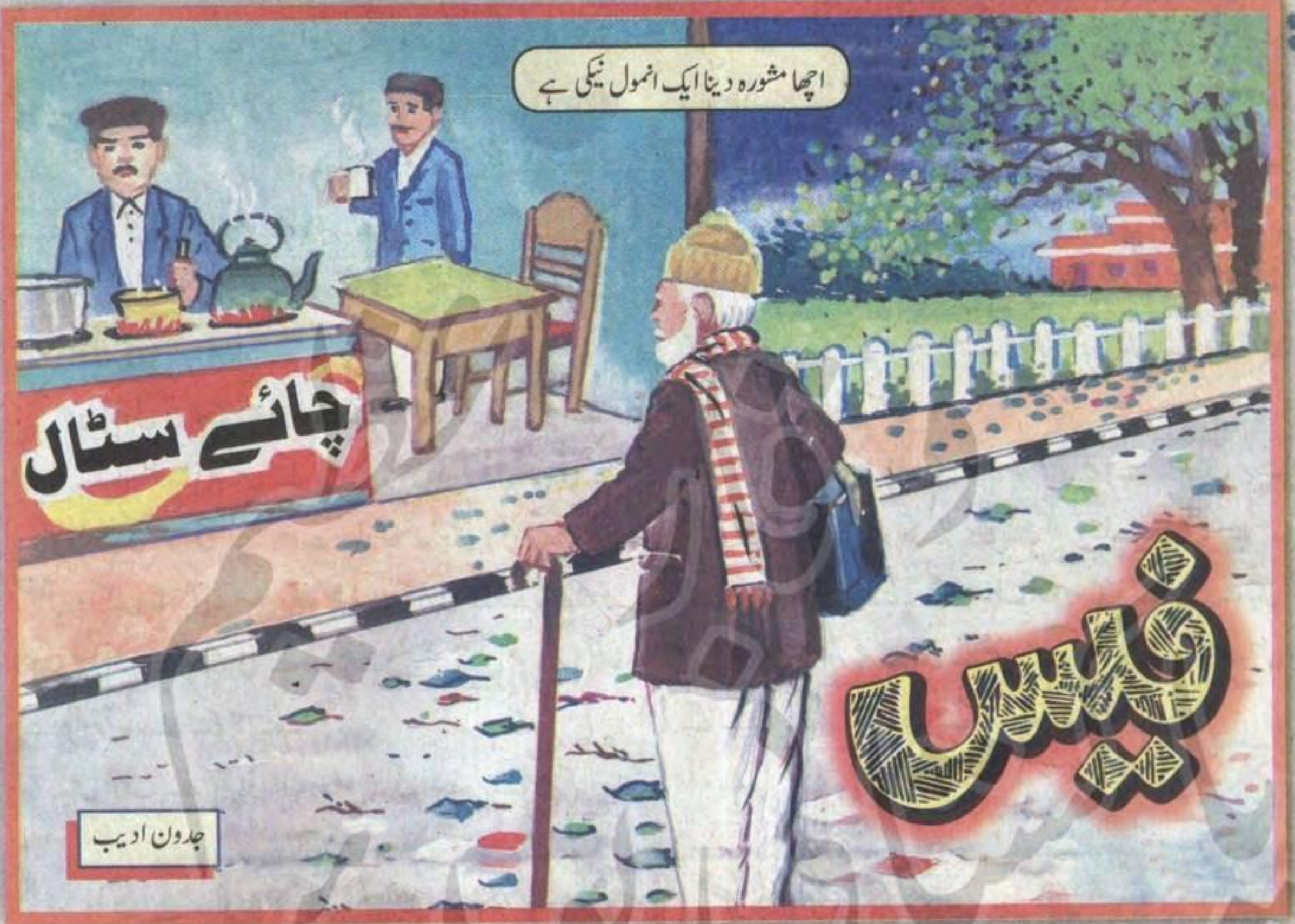
موت نے حیرت سے ماں کو پوچھا کہ کیا وہ اپنا بچہ واپس لینا نہیں چاہتی۔ اگر نہیں تو پھر وہ بچے کو انجانی دُنیا میں لے جائے گی جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔

ماں نے خدا کو پکارا کہ اے خدا! تو میرے آنسوؤں پر نہ جانا۔ تو سب سے بہتر جاننے والا ہے اور صرف تجھے پتا ہے کہ ہمارے لیے کیا اچھا ہے۔ مجھے معاف کر دو، میں بچے کی محبت میں اندھی ہو گئی تھی اور پھر وہ خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گئی اور موت اس کے بچے کو لے کر انجانی دُنیا کے سفر پر روانہ ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

سلسلہ ”کھوج لگائیے“ میں ان بچوں کے جملات بھی درست تھے

عربیہ مقصود، ٹوکیو، جاپان۔ نبیہ طارق، پٹوکی۔ سعد سہیل، جہلم۔ حاجرہ فیاض وزا، گوجر خان۔ زعیمہ یاسر، لاہور۔ ربیعہ عائشہ، لاہور۔ نورالہدیٰ عامر، لاہور۔ آمنہ ناصر، فیصل آباد۔ تحریم مریم، ملتان۔ مدنی عابد، ملتان۔ محمد حبیب الرحمن صدیقی، اسلام آباد۔ عدنان ملک، نوشہرہ۔ عبداللہ شاہ، دریا خان۔ انیس الرحمن، گوجرانوالہ کینٹ۔ محمد عبداللہ چوہدری، علی پور چٹھہ۔ سارہ فاطمہ، میاں والی۔ کول صادق چوہدری، گوجرانوالہ۔ ماہین الماس، فیصل آباد۔ عروج ندیم، مردان۔ بلال جمیل، فیصل آباد۔ شمر خان، بھکر۔ عبدالوہاب، لاہور۔ عمر عابد، جھنگ۔ شانزہ شاہین، بہاول پور۔ سونیا ذوالفقار، مردان۔ صالحہ زعیم، راول پنڈی۔ احمد عبداللہ، میاں والی۔ اسد علی انصاری، ملتان۔ عبداللہ اکرم، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ مآب زینت، جہلم۔ حمزہ عارف، لاہور کینٹ۔ رافع فیاض، اسلام آباد۔ اریب افتخار، واہ کینٹ۔ محمد مبشر اقبال، کراچی۔ عفیرہ، اسلام آباد۔ مشال آصف، پشاور۔ محمد معیز، ڈیرہ غازی خان۔ سعد جاوید، لاہور۔ ثمن ظفر، راول پنڈی۔ اظہر الدین، کوہاٹ۔ انصر علی، وہاڑی۔ محمد اسامہ امجد، لاہور۔ حسن شہزاد، راول پنڈی۔ حفصہ نسیم، میاں والی۔ محمد اویس، فیصل آباد۔ محمد ہاشم اسلم، گوجرانوالہ۔ احسن نجیب، میرپور، آزاد کشمیر۔ اسامہ خٹک، پشاور۔ ضحیٰ عقیل، راول پنڈی۔ علیہ عمر، لاہور۔ ماہ رخ ناصر، سرگودھا۔ محمد حمزہ، فیصل آباد۔ حسن سردار، لاہور۔ مریم صدیقہ، گوجرانوالہ۔ جنید جاوید، لاہور۔ حمزہ میر، جہلم۔ مہوش سرور، کراچی۔ منصور اعجاز، بہاول نگر۔ محمد دانش انور، لاہور۔ سید اشعر امان بخاری، دریا خان۔ کاشف علی، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ محمد حسن عبداللہ، فیصل آباد۔ محمد عبداللہ محمود، راول پنڈی۔ شمرہ طارق بٹ، گوجرانوالہ۔ ذونیرہ جاوید، لاہور۔ بلال عباس، لاہور۔ محمد انس، سرگودھا۔ محمد طلال ساہی، اقراء ساہی، جہلم۔ اریبہ رضوان، گوجرانوالہ۔ سینا احمد، راول پنڈی۔ لائبرہ شہزاد، راول پنڈی۔ ماہ نور عثمانی، کراچی۔ زوبیہ سعید، کراچی۔ صغیر حسین، اسلام آباد۔ اسفند یار خان لودھی، شیخوپورہ۔ عثمان ابوبکر علی، گوجرانوالہ۔ محمد جنید، راہوالی۔ حسن شکیل احمد، سرگودھا۔ عزیز احمد، نوشہرہ۔ انعم انبساط خدیجہ، ٹیکسلا کینٹ۔ نور رمضان، فیصل آباد۔ عائشہ سید، پشاور۔ مناہل شاہد، راول پنڈی۔



فیس

جدون ادیب

صادق کیشر تھا۔ حشمت آرڈر سرور کرتا تھا اور ماجد صفائی ستھرائی اور چھوٹے موٹے کاموں پر مامور تھا۔ میں باہر کے اہم کاموں کو خود دیکھتا تھا مثلاً سبزی، گوشت وغیرہ اور دوسرا سودا سلف لانا، اپنی زمینوں پر سبزیوں کی دیکھ بھال اور اپنی گائے، بکریوں کو دیکھنا۔ حشمت مزاجاً تھوڑا سخت تھا۔ جب اس کے پاس کام نہ ہوتا تو وہ دروازے کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ جاتا اور یوں لگتا کہ ایک چوکیدار ہے اور میرے خیال سے یہ تاثر بہت اچھا پڑتا تھا۔ حشمت کی جگہ پہلے اختر تھا جو ٹھنڈے مزاج کا فرماں بردار انسان تھا۔ میرے سارے ہی کارکن اچھے تھے اور مجھے کسی سے شکایت نہ تھی۔ بد قسمتی یہ ہوئی کہ قسمت کو جانے مجھ سے کیا شکایت ہو گئی، میرا دھندا دن بہ دن خراب ہوتا گیا۔ پہلے آمدن گھٹی، پھر آمدن ختم ہو گئی اور پھر خسارہ ہونے لگا، حتیٰ کہ میرا اکاؤنٹ خالی ہو گیا اور مجھے قصبے سے قرض بھی لینا پڑا۔ جب میں نے تمام معاملات پر غور کیا، مجھے لگا کہ عنقریب دیوالیہ ہو جاؤں گا یا پھر اپنی آبائی زمین بیچنا پڑے گی۔ یہ میں نہیں کر سکتا تھا اور اب کاروبار ختم ہونے کی نوبت

وہ ایک سرد اور طوفانی رات تھی۔ تیز ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے اور کسی بھی وقت بارش ہو سکتی تھی۔ موسم کی حالت دیکھ کر خود میری حالت بھی پتلی ہو رہی تھی۔ کام دھندا پہلے سے ٹھپ پڑا تھا۔ اوپر سے منجمد کر دینے والے موسم نے زندگی مفلوج کر کے رکھ دی تھی۔ ایسے میں میرے ہوٹل پر کون آتا؟ یہ ان دنوں کی بات ہے، جب میں گاؤں میں رہتا تھا۔ سڑک کے کنارے میرا ایک چھوٹا سا چائے خانہ تھا جس کے ایک گوشے میں پرچون کا سامان تھا۔ مسافروں کے کام آنے والی اشیاء بھی تھیں۔ ضرورت پڑنے پر کھانا بھی تیار ہو جاتا تھا۔ مسافروں کے ٹھہرنے کے لیے عقبی حصے میں کچھ کمرے تھے۔ میرا یہ کاروبار میرے ہوٹل کے نام سے مشہور تھا اور یہاں گاڑیوں کے لیے فیول بھی مل جاتا تھا۔ دیکھا جائے تو میں نے کمائی کے کافی ذریعے بنا رکھے تھے مگر اتنے سارے کاموں کو دیکھنے کے لیے مجھے پیچھے آدمی بھی رکھنا پڑے تھے، جن میں دو عارضی تھے اور صرف چار گھنٹوں کے لیے آتے تھے۔ اختر مسافروں کے معاملات کو دیکھتا تھا۔

آچکی تھی۔

اس سرد اور طوفانی رات میرا دل بہت رو رہا تھا۔ میرے کاروبار سے مجھ سمیت سات افراد وابستہ تھے۔ سات مختلف گھرانے اس کام سے اپنا روزگار حاصل کیے ہوئے تھے۔ اس گاؤں اور اس سے ملحقہ قصبے میں روزگار کے مواقع بہت محدود تھے۔ زیادہ تر لوگ شمال کی طرف نکل جاتے تھے۔ دکانیں کم تھیں، زیادہ تر لوگ کاشت کاری، فارم یا ڈیری کے کام سے وابستہ تھے۔ ایسے میں مجھے یہاں بہت عزت ملی ہوئی تھی کہ میرے پاس چھ افراد کام کرتے ہیں اور میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ میرا کام ختم ہو اور نہ میں اخراجات میں کمی کے نام پہ کسی کو اس کے روزگار سے محروم کر سکتا تھا۔ یہ تو سارا پس منظر ہے، اصل کہانی تو تب شروع ہوتی ہے، جب وہ پراسرار بوڑھا ہوٹل میں داخل ہوا۔ اس کے کاندھے پر ایک مختصر سفری بیگ تھا اور لگ رہا تھا کہ وہ کچھ کھاپی کر قصبے کی طرف نکل جائے گا۔ اگر سڑک پر اسے آگے روانہ ہونا ہوتا تو اس کے لیے ذاتی سواری ضروری تھی۔ قصبے کی آخری بس شام سات بجے روانہ ہو جاتی اور اس وقت آٹھ بج رہے تھے۔ آٹھ بجے حشمت اور صادق چھٹی کرتے تھے اور ماجد دس بجے، کیوں کہ وہ دو گھنٹے ان دونوں کے بعد آتا تھا۔ رات دس بجے کے بعد میں اور اختر سارے کاموں کو دیکھتے تھے۔

حشمت نے آگے بڑھ کر بوڑھے کو خوش آمدید کہا اور اسے ایک کرسی پر بٹھایا۔ حشمت نے مجھے صادق کے ساتھ حساب کتاب کرتے دیکھا تو کچن میں جا کر چائے بنا لایا۔ ساتھ فرائی انڈا اور ڈبل روٹی بھی۔ میں نے صادق اور حشمت کو چھٹی دے دی۔ اس دوران بوڑھا کھاپی کر اب سگار پی رہا تھا۔ ماجد برتن اٹھا کر لایا تو مجھے بتایا کہ بوڑھا ایک رات رکنا چاہتا ہے۔ میں اٹھ کر بوڑھے کے پاس گیا۔ اسے ہوٹل میں قیام کی شرائط اور کرائے سے آگاہ کیا۔ بوڑھے نے مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اوور کوٹ پہنے ہوئے تھا اور سر پر اوننی ٹوپی پہن رکھی تھی۔

اس نے بتایا کہ وہ ایک بڑے آدمی کا مشیر ہے اور اس کے کام سے قصبے میں آیا ہے۔ باتوں باتوں میں میں نے اپنے تباہ

ہوتے ہوئے کاروبار کا ذکر کیا تو یہ کہہ کر اس نے مجھے حیران کر دیا کہ اسے اندازہ ہے کہ میرا دھندا مندا جا رہا ہے!

”آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟“ میرے منہ سے حیرت کے مارے نکلا۔ وہ بوڑھا پراسرار انداز میں مسکرایا۔ مجھے لگا کہ وہ کسی پراسرار کہانی کا کردار ہے اور شاید وقت کی گردش اسے میرے ہوٹل میں لے آئی ہے۔ ”بہت ساری باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے اور چہروں پر بھی بہت کچھ لکھا ہوتا ہے۔“ وہ کہتے کہتے کچھ سوچنے لگا۔ یوں بولا جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میں ایک آدمی کا مشیر ہوں اور تم بھی یہ بات سمجھ لو کہ میں مشورے ہی کے ذریعے پیسے کماتا ہوں، میرا مطلب سمجھ رہے ہونا.....

”ہاں.....“ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”پر آپ کی فیس مناسب ہوئی اور مشورہ قیمتی تو مجھے کوئی اعتراض نہیں!“

”میری فیس اتنی معمولی ہے کہ تم ہنسی خوش دے دو گے مگر تمہیں وہی کرنا پڑے گا جو میں کہوں گا.....!“ کہتے کہتے بوڑھے کا لہجہ تھوڑا سخت ہو گیا۔

”آپ بتائیں، کیا کرنا ہے؟“

وہ بوڑھا ایک کے بعد ایک کام بتاتا چلا گیا۔ رات گئے تک ہمارے صلاح مشورے جاری رہے۔ صبح جب تھوڑا رش تھا تو وہ ہر چیز کا جائزہ لیتا رہا۔ ہوائیں رُک چکی تھیں اور آج کافی دنوں کے بعد چمک دار دھوپ نکلی تھی۔ آج کا دن کام کے لحاظ سے بھی اچھا ثابت ہوا۔

بوڑھے نے مجھے جو کچھ سمجھایا، میں نے اس پر فوری عمل کرنا شروع کر دیا۔ اختر کو حشمت کی جگہ مقرر کر کے میں نے حشمت کے ساتھ لگ کر ہوٹل کے پچھلے حصے کو صاف کر دیا جہاں برتن وغیرہ دھلتے تھے اور کافی پانی کھڑا ہو جاتا تھا۔ اس سمت سے گاؤں کے لوگ آتے جاتے تھے۔ یہیں دو تن آدرخت کھڑے تھے، ان کے بیچ میں ایک بڑا سا چبوترا بنایا اور ارد گرد خوب صورت پھولوں کے گمے رکھوا دیے۔ دیوار سے درختوں تک چھپر بھی ڈال دیا اور وہاں دریاں بھی بچھا دیں۔ گاؤں کے لوگوں نے میری اس نئی مصروفیت کو بہت غور سے دیکھا اور یہ سن کر بہت پسند بھی کیا کہ یہ جگہ میں

وہ پُراسرار انداز میں مسکرایا اور بولا: ”اچھے مشورے کی کوئی فیس نہیں ہوتی۔ یہ ایک انمول نیکی ہے۔ تم بھی ہمیشہ دوسروں کو ٹھیک مشورہ دیا کرو..... میں اپنے مشورے کی یہی فیس لیا کرتا ہوں!“

میں نے چیک بک نکالی۔ ”مگر میں آپ کو آپ کے قیمتی الفاظ کی اپنی قیمت دے سکتا ہوں۔ اپنے محسن کا شکریہ ادا کر سکتا ہوں۔ خدا کے لیے بتائیں کہ آپ کے لیے کتنی رقم کافی ہوگی، مجھے یہ رقم دے کر بہت مسرت ہوگی۔“

”تم میری فیس دینا چاہتے ہو!“ وہ ہنسا۔

”ہاں محترم بزرگ!“ میں نے ابقائے انداز میں کہا۔

”جاؤ پھر ایک فرائی انڈا، چند سلاٹس اور چائے لاؤ!“ وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ”یہی میری فیس ہے، تمہاری خاطر..... اب اگر تم اصرار کرو گے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

بوڑھے کا لہجہ اتنا اٹل تھا کہ میں اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ دُنیا میں ایسے انسان بھی ہوتے ہیں، اس دن پتا چلا تھا۔

سلسلہ ”آپ بھی لکھیے“ میں موصول ہونے والی کہانیاں

نومی کا دُنُبہ، شائستہ انجم واہ کینٹ۔ دو بھائی، نوال فاطمہ اسلام آباد۔ آبرو ساری پیسے کی ہے، لائِبہ شہزادی راول پنڈی۔ پیاسی دھرتی پیاسے لوگ، مریم فاروق کراچی۔ یہ وطن تمہارا ہے، محمد عدنان اقبال۔ پہاڑ کے لوگ، امینہ بتول۔ زندگی کی ڈائری، حمزہ کامران لاہور۔ بڑی بہن، عقیفہ طاہر گجرات۔ غرور کا انجام، حسان بدر بورے والا۔ اتفاق، عدنان ملک نوشہرہ کینٹ۔ پریاں اور غریب موچی، محمد احمد خان غوری بہاول پور۔ من و تو، رابعہ سلیم راجپوت، راول پنڈی۔ بیوی کی عقل مندی، محمد آویز ساجد ڈی جی خان۔ اندھیروں کی چادر، جویریہ فضا عباسی، بڈھ پیر پشاور۔ شہد کا قطرہ، محمد حذیفہ الیاس گوجرانوالہ۔ بے عمل، سحر اشفاق، واہ کینٹ۔ احمد کی بے وقوفیاں، علی عبدالباسط اٹک۔ گمنام مسیحا، سعدیہ سعید واہ کینٹ۔ چاند پر پریاں رہتی ہیں، قرآۃ العین ہاشمی لاہور۔ دوسری پٹائی، عبداللہ ایوب جہلم۔ ارشمیدس کی کہانی، بشیر احمد بھیرکنڈ۔ خیانت، صوفیہ عبداللہ پشاور۔ اگر تو زندگی چاہتا ہے، کلثوم عتیق حضرو۔ احساس بیداری، محمد سعد اللہ اسلام آباد۔ یہ کیا ہو گیا، آمنہ اکبر گوندل، بھیرہ۔

گاؤں کے لوگوں کے لیے خاص طور پر بنوا رہا ہوں۔ ساتھ ساتھ میں دوسرے کام بھی کر رہا تھا۔ سرائے والے حصے میں کمروں کو روغن کروایا اور حشمت کو وہیں بٹھا دیا۔ وہ کچھ کرخت لگتا تھا تو شاید مسافروں کو ناگوار بھی گزرتا ہو۔ دروازے کے پیچھے کاٹھ کباڑ جمع تھا، وہ بھی ہٹایا۔ بیرونی دروازے پر نیا رنگ کیا اور پرانے بورڈ کو اتار کر نیا سائن بورڈ خوب صورت طریقے سے لکھوا کر نصب کرایا۔ بیرونی حصے میں کچھ پھولدار پودے لگائے اور سڑک کے دونوں اطراف دو کوس کے فاصلے پر بورڈ نصب کرائے جن پر لکھا تھا کہ دو کوس کے بعد ایک ہوٹل طعام قیام کے لیے موجود ہے۔ میں نے کھانا پکانے کے لیے ایک ماہر باورچی بھی رکھ لیا۔ غرض کافی ساری تبدیلیاں کیں۔ اب میرے چہرے پر بھی خوشی اتر آئی تھی اور میں جو کاروبار میں نقصان ہوتا دیکھ کر اپنے آپ میں سمٹ گیا تھا اور لوگوں سے میل جول کم کر دیا تھا، دوبارہ سے لوگوں میں گھل مل گیا۔ میں نے ان سب تبدیلیوں پر اتنی رقم نہیں لگائی تھی مگر اس کا منافع بہت ملنے لگا۔ گاؤں والوں کے لیے جو جگہ بنائی تھی، وہ ایک چوپال بن گئی۔ وہاں ہر وقت لوگ جمع رہتے اور چائے کافی کا دور بھی چلتا۔ ہوٹل میں مستقل گاہکوں اور بالخصوص گاڑی والوں کے لیے خصوصی رعایت کے پیکیج بنائے۔ کھانوں کی لذت بھی مشہور ہونے لگی، الغرض میرا دھندا چل پڑا۔

اگلے سیزن تک میں نے اپنے ہوٹل میں کھانا اور گرم کپڑے بھی رکھ لیے تھے جن کی وجہ سے مقامی لوگوں سے میرا کام بڑھ گیا تھا۔ وہ پُراسرار بوڑھا اسی روشن اور چمک دار دن اچانک چلا گیا تھا۔ شاید میں نے اس سے اور بھی بہت سے مشورے کرنے تھے اور سب سے حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نے اپنی فیس بھی نہیں لی تھی۔ میں نے اس کا بہت انتظار کیا مگر وہ نہ آیا۔ کئی سال گزر گئے، آخر وہ ایک دن آ گیا۔ اس دن بھی موسم سرد اور طوفانی تھا۔ ہوٹل میں کافی لوگ موجود تھے اور شیشے کے پار بریلی ہواؤں کو دیکھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بوڑھے کو دیکھ کر میں بجلی کی سی تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ اسے خوش آمدید کہہ کر کرسی پر بٹھایا اور شکوہ کیا کہ وہ اپنی فیس لیے بغیر کیوں گیا۔



الْغَفُورُ جَلَّ جَلَالُهُ

(بہت زیادہ گناہ بخشنے والا)

الْغَفُورُ جَلَّ جَلَالُهُ وہ ہے جو بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندہ کے گناہوں سے درگزر فرما کر اس کو اس عذاب سے بچالیں جس کا وہ مستحق ہو چکا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم مبارک الْغَفُورُ جَلَّ جَلَالُهُ کو قرآن پاک میں 19 مرتبہ استعمال کیا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں اور برائیوں کو چھپا لیتے ہیں تو ہمیں بھی کیا ضرورت پڑی ہے کہ اپنے دوستوں، لڑکیوں اور اپنی سہیلیوں کے عیبوں کو دیکھیں بلکہ ان کی اچھی باتوں اور خوبیوں کو دیکھیں اور برائیوں سے چشم پوشی کریں۔ البتہ گناہ ہو جائے تو اپنے رب سے معافی مانگنی چاہیے اور مغفرت طلب کرنی چاہیے۔

دشواری اور مشکل ختم

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص استغفار میں لگا رہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر دشواری سے نکلنے کے راستے پیدا فرمائیں گے اور ہر تنگی میں کشادگی دیں گے اور اس کو

ایسی جگہ سے رزق دیں گے جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔“

اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے یہ تین فائدے ہوں گے۔

۱۔ ہر دشواری کا دور ہو جانا۔

۲۔ ہر فکر کا ختم ہونا۔

۳۔ ایسی جگہ سے رزق ملنا جہاں سے گمان بھی نہ ہو۔

استغفار کے یہ مختصر الفاظ یاد کر کے کم از کم روزانہ ۱۰۰ مرتبہ پڑھنا چاہیے۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ (رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ) وَاتُوبُ اِلَيْهِ.

یا صرف اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ہی پڑھ لیا کریں۔ بچیاں امی اور بہنوں

کے ساتھ روزانہ کچھ وقت نکال کر پابندی سے پڑھیں اور اپنے تمام مسلمان، بہن بھائیوں کے لیے مغفرت کی دُعا مانگیں۔

دو آدمی

”ابو! یہ کتنے بُرے لوگ ہیں، رمضان کے دنوں میں بھی کھا

پی رہے ہیں۔ جہنم میں جائیں گے۔“

پندرہ سالہ امجد نے کہا، جو ظہر کی نماز پڑھ کر اپنے ابو کے

ساتھ گھر جا رہا تھا۔

ابو نے امجد کی طرف دیکھا تو اس نے خوش ہو کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

ایک نیکی کا اجر

ایک واقعہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو فرشتے نے اس سے کہا: ”کیا تو نے کوئی نیکی کا عمل کیا ہے؟“ اس نے کہا: ”مجھے معلوم نہیں۔“ فرشتے نے دوبارہ کہا: ”غور کرو۔“ اس شخص نے کہا: ”مجھے معلوم نہیں سوائے اس کے کہ میں لوگوں سے لین دین کرتا تھا اور میں لوگوں سے کاروبار کرتا تھا۔ جو شخص مجھے آسانی سے پیسے دے دیتا تو میں اسے قبول کر لیتا اور جو شخص مجھے آسانی سے نہ دے سکتا اسے میں معاف کر دیتا تھا۔“ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اس عمل پر جنت میں داخل کر دیا۔

یاد رکھنے کی باتیں

۱۔ ان مبارک اسمائے مبارکہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگر ہم سے کوئی گناہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں اور توبہ کر لیں وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ایسی ہی ذات ہے جو بار بار کی غلطیوں کو معاف کرتی ہے بلکہ اگر اس سے توبہ کی جائے تو وہ الْعَفْوَ جَلَّ جَلَالُہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

۳۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو چھپاتے ہیں اور ہمارے گناہوں کو ظاہر نہیں کرتے تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم ہر ایک کی اچھی باتوں کو یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک میں کئی خوبیاں رکھی ہیں۔ ہم ان خوبیوں کو دیکھیں اور اپنی خامیوں پر نظر رکھیں۔ اگر ان سے کوئی غلطی ہو جائے یا ہماری کوئی چیز استعمال کریں تو انہیں معاف کر دینا چاہیے۔ ہم سے کوئی غلطی ہوتی ہے تو ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہمیں سزا نہ ملے..... ہمیں کوئی نہ ڈانٹے بلکہ معاف کر دے تو ہمیں بھی اپنے دوستوں اور سہیلیوں کے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہیے۔

☆.....☆.....☆

ابو نے امجد کے لہجے میں بہت زیادہ حقارت محسوس کی۔
آج امجد نے تیسرا روزہ رکھا تھا۔ گزشتہ سال بھی اس نے تین روزے رکھے تھے۔

رمضان المبارک کے مہینے میں اس نے فٹ پاتھ پر درخت کی اوٹ میں دو آدمیوں کو کھاتے ہوئے دیکھا تو اس سے رہانہ گیا۔
”بیٹا! بے شک رمضان المبارک کے مہینے میں کھانا پینا گناہ کا کام ہے لیکن یہ بھی ہمارے بھائی ہیں ہمیں انہیں ہمدردی سے سمجھانا چاہیے۔ یہ کہنا ہرگز مناسب نہیں کہ یہ جہنم میں جائیں گے۔ جنت اور جہنم میں جانے کا فیصلہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ہمیں گناہ سے ضرور نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار سے نہیں۔“ ابو نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”ابو! کیا گناہ کرنے والا جہنم میں نہیں جائے گا؟“ امجد نے حیران ہو کر ابو سے پوچھا۔ باتیں کرتے کرتے گھر آ گیا تو ابو نے ایک کتاب کھولی اور امجد کو سنانے لگے:

بنی اسرائیل ایک قوم تھی۔ اس میں دو آدمی تھے۔ اک آدمی گناہ گار تھا اور دوسرا عبادت گزار۔ عبادت گزار شخص گناہ گار کو گناہ کرتے دیکھتا تو ہر مرتبہ یہی کہتا: ”گناہ سے باز آ جاؤ۔“ ایک مرتبہ پھر گناہ گار، گناہ میں مبتلا تھا تو عبادت گزار نے کہا: ”گناہ چھوڑ دو۔“

گناہ گار نے جواب دیا: ”مجھے میرے رب کے حوالے کر دو۔ کیا تم مجھ پر نگران بنا کر بھیجے گئے ہو۔“ عبادت گزار نے کہا: ”خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ تیری مغفرت نہیں کریں گے۔“

دونوں کا انتقال ہوا اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوئے۔
اللہ تعالیٰ نے عبادت گزار آدمی سے کہا: ”تم نے کس طرح فیصلہ کر دیا کہ اس گناہ گار کی مغفرت نہیں ہوگی۔ کیا تم میرے حکم کو جانتے تھے؟“ اور گناہ گار سے فرمایا: ”تم میری رحمت کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔“ اور عبادت گزار سے اس کی جرأت کی وجہ سے فرمایا: ”اسے دوزخ میں لے جاؤ۔“

بیٹا امجد! نیکی کا حکم ضرور کرنا ہے لیکن برائی کو پیار سے روکنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ جنت اور جہنم کا فیصلہ صرف وہی کرنے والا ہے۔

پاک فوج کے ایک شیر دل سپاہی کی داستان شجاعت
جنگ ستمبر 1965ء

صف شکن



ہے۔“ وہ خود کلامی کے انداز میں بولے اور پھر وہیں کھڑے کھڑے انہوں نے نرسنگ اسٹاف کے گروپ ”بی“ کے انچارج کو پکارا۔ ”اسلم!..... ادھر آنا۔“

نرسنگ حوالدار ان کی آواز سنتے ہی دوڑتا ہوا ان کے قریب آیا اور سیلوٹ (فوجی سلام) کرتے ہوئے بولا۔ ”کیا حکم ہے سر؟“

”اسلم!..... آپ دو سپاہیوں کو ساتھ لے کر ان قدموں کے نشانات کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے آگے جائیں..... اور زخمی کو اٹھا کر پیچھے لے آئیں۔“

”بہتر سر!“ نرسنگ حوالدار نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر سیلوٹ کیا اور پھرتی سے ایڑی پر گھوما اور دوڑتا ہوا اپنے گروپ سے جا ملا۔

☆.....☆.....☆

قدموں کے نشانات نصف فرلانگ تک نظر آنے کے بعد گھنی جھاڑیوں کے نزدیک جا کر ختم ہو گئے تھے۔ نرسنگ حوالدار اسلم اور اس کے دونوں سپاہی ادھر ادھر نظریں دوڑا کر ان کا اگلا سرا تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اچانک ایک گرج دار آواز سنائی

بزدل دشمن بدحواس گیدڑ کی طرح میدان چھوڑ کر بھاگ رہا تھا!!..... اور پاک فوج کے بھرے ہوئے شیر ”جھوٹے“ کو اس کے گھر تک پہنچانے کے لیے ”ایڈوانس“ (پیش قدمی) کرتے ہوئے اس کے تعاقب میں چلے آ رہے تھے!!!

میدان جنگ کی فضا جو کچھ دیر پہلے تک دل ہلا دینے والے دھماکوں سے گونج رہی تھی، اب قدرے پرسکون تھی..... بارود کی ناگوار بو نے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ جلتے ٹینکوں سے اٹھتا دھواں ابھی تک دشمن کی بربادی کا ماتم کر رہا تھا!! دشمن میدان جنگ سے فرار ہوتے وقت اپنے پیچھے بہت سے لاشے..... زخموں سے کراہتے کئی وجود..... اور بہت سا جنگی ساز و سامان بھی بطور ”تحفہ“ چھوڑ گیا تھا!!..... کچھ فاصلے پر پاک فوج کے وہ جانباز ابدی نیند سو رہے تھے جنہوں نے اپنا ”آج“ قوم کے ”کل“ کی خاطر قربان کر دیا تھا۔

کیپٹن ڈاکٹر علی شیر چلتے چلتے ایک جگہ رُک گئے۔ ان کی نظر زمین پر جمی ہوئی تھی۔

”یوں لگتا ہے جیسے کوئی زخمی حالت میں لڑکھڑاتا ہوا آگے گیا

بروقت علاج نہ کیا گیا تو تم مر بھی سکتے ہو۔“ نرسنگ حوالدار نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

”میں!“ وہ تینوں کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔
 ”میں مروں گا نہیں، سمجھے..... تم نے اٹھانا ہے تو کسی اور کو تلاش کرو اور اسے اٹھا کر پیچھے لے جاؤ..... لیکن..... خدا کے لیے میرا وقت برباد نہ کرو..... مجھے ایڈوائس (پیش قدمی) کرنے دو..... مجھے ابھی بہت دُور جانا ہے۔“

☆.....☆.....☆

”بہادر جوان!..... میں تمہارے جذبات کی دل سے قدر کرتا ہوں لیکن تمہاری حالت دیکھنے کے بعد میرا پیشہ مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں تمہیں آگے جانے دوں۔“ کیپٹن علی شیر اس زخمی سپاہی کو سینے سے لگائے کہہ رہے تھے۔ بہت ضبط کرنے کے باوجود ان کی آنکھیں خوشی کے ان آنسوؤں کو روک نہ سکیں تھیں جو حقائق ظاہر ہونے پر غیر محسوس انداز میں آنکھوں سے بہہ نکلتے ہیں اور انسان کو پتا بھی نہیں چلتا۔

”سر!..... ابھی تو..... زخمی.....“ سپاہی نے کہنا چاہا۔

”ہاں مجھے پتا ہے کہ ابھی تمہاری مشین گن میں بہت سی گولیاں باقی ہیں..... تم نے نرسنگ حوالدار اسلم سے یہی کہا تھا نا۔ اس نے مجھے تمام بات بتادی ہے۔“ کیپٹن ڈاکٹر علی شیر بھیکتی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے بولے۔ ”لیکن اس حالت میں لڑتے ہوئے تم سے کئی گولیاں ضائع بھی ہو سکتی ہیں..... جب کہ صحت یاب ہونے کے بعد تمہاری چلائی ہوئی ہر گولی دشمن کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوگی۔“

”سر!..... اگر میں اسپتال میں جا کر مر گیا تو اللہ کو روزِ حشر کیا جواب دوں گا؟“ زخمی سپاہی دل میں سر اٹھانے والے خدشے کو زبان پر لے آیا۔

”تم نہیں مرو گے..... یہ میرے نہیں، تمہارے اپنے الفاظ ہیں جو تم نے کچھ دیر پہلے بڑے معنی خیز انداز میں میرے سٹاف کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔“

”کہے تو تھے۔“ زخمی سپاہی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

دی۔ ”خبردار!..... جہاں ہو وہیں کھڑے رہو..... ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو میں تم تینوں کو بھون کے رکھ دوں گا۔“ آواز کے ساتھ ہی انہیں جھاڑیوں سے مشین گن کی نالی باہر جھانکتی دکھائی دی اور پھر انہیں لکارنے والا بھی لنگڑاتا ہوا، ان کے سامنے آ گیا۔ اس کا چہرہ گرد سے اٹا ہوا تھا..... خاکی وردی جگہ جگہ سے پھٹ کر چیتھڑوں میں تبدیل ہو چکی تھی..... اس کے دائیں گال پر زخم کا ایک گہرا نشان نظر آ رہا تھا جس سے بہنے والا خون ایک لکیر کی صورت میں اس کی ٹھوڑی تک آ کر جم گیا تھا۔ بائیں گھٹنے کے قریب بندھی ”فیلڈ پی“ سے بھی خون رس رہا تھا۔

”ارے!..... یہ تو اپنی انفنٹری (پیدل فوج) کا جوان ہے۔“ نرسنگ حوالدار اسلم اسے دیکھتے ہی خوشی سے چلا آیا۔ اُدھر زخمی سپاہی نے بھی میڈیکل کور کے عملے کو پہچان لیا تھا اور اب وہ مشین گن کی بیرل (نالی) کا رخ زمین کی طرف کیے انہیں سوالیہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ خود ہی بولا۔ ”میری پلٹن پیش قدمی کر چکی ہے اور..... میں زخمی ہونے کی وجہ سے پیچھے رہ گیا ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر دُکھ سمٹ آیا۔ قدرے توقف کے وہ دوبارہ بولا۔ ”اور اب میں اپنی پلٹن سے ملنے جا رہا ہوں..... دُعا کرو میں جلد از جلد اپنی پلٹن تک پہنچ جاؤں..... لیکن تم؟“ وہ کہتے کہتے رُک کر انہیں استفساریہ انداز میں دیکھنے لگا۔

”ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔“ نرسنگ حوالدار اسلم بولا۔ ”اس لیے کہ تم زخمی ہو..... ہم تمہیں اسپتال لے جائیں گے..... وہاں تمہارا علاج ہو گا..... ٹھیک ہونے کے بعد ہم تمہیں دوبارہ تمہاری پلٹن میں پہنچا دیں گے۔“ حوالدار اسلم اسے اس طرح سمجھاتا جیسے کسی بچے کو سمجھاتے ہیں۔

”مگر میں تو پیچھے نہیں جاؤں گا..... میرا مقصد تو اب صرف آگے جانا ہے کیوں کہ میری مشین گن میں گولیاں اور جسم میں جان باقی ہے..... اور پھر میں نے اپنی قوم کی بقا کی خاطر آخری سانس اور آخری گولی تک لڑنے کا وعدہ کر رکھا ہے..... اور جہاں بات وعدہ کی آجائے تو پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”دیکھو جوان!..... تمہارا کافی خون بہہ چکا ہے..... اگر تمہارا

”جس یقین کے ساتھ تم نے وہ الفاظ کہے تھے..... اسی یقین کے ساتھ میں کہتا ہوں کہ ان شاء اللہ تم زندہ رہو گے..... اور..... دوبارہ اپنی پلٹن کے ساتھ مل کر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرو گے..... شاباش! اب فوراً اسٹریچر پر لیٹ جاؤ۔“ کیپٹن ڈاکٹر علی شیر نے اس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا اور زخمی سپاہی نہ چاہتے ہوئے بھی خاموشی سے اسٹریچر پر لیٹ گیا۔

☆.....☆.....☆

زخمی سپاہی کی حالت تیزی سے بہتر ہو رہی تھی اور اس عمل میں اس کی مضبوط قوت ارادی اور حب الوطنی کا جذبہ کارفرما تھا۔ کیپٹن ڈاکٹر علی شیر اس کے علاج پر بھرپور توجہ دے رہے تھے۔ ان کی پوری کوشش تھی کہ وہ جلد از جلد صحت یاب ہو کر دوبارہ محاذ جنگ پر چلا جائے۔ کچھ ہی دنوں بعد وہ زخمی سپاہی فٹنس سرٹیفکیٹ (صحت یابی سند) کے ساتھ اپنے پلٹن کمانڈر کے سامنے کھڑا تھا!!!

”سر!..... اب مجھے دشمن سے لڑنے کی اجازت ہے؟“ اس نے مؤدبانہ انداز میں اپنے پلٹن کمانڈر سے پوچھا۔ ”ہاں! بالکل اجازت ہے..... جاؤ اور دشمن کو بتا دو کہ اس نے کس قوم کو لکارا ہے۔“ پلٹن کمانڈر نے اپنے بہادر جوان کو فخریہ انداز میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”بہتر سر!!!“ سپاہی نے جواباً مسکراتے ہوئے سیلوٹ کیا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

سپاہی کہاں تو زخمی ہونے کی وجہ سے اپنی پلٹن سے پیچھے رہ گیا تھا اور کہاں اب پلٹن کو اس کے عزائم کا ساتھ دینے میں مشکل پیش آ رہی تھی!..... اس نے اپنے عزم و حوصلہ کے بل بوتے پر دشمن کے کئی مورچے اکھاڑ پھینکے تھے اور اب ایک بھارتی فوجی چوکی اس کا ٹارگٹ تھی، جہاں کافی تعداد میں بھارتی فوجی مورچہ بند تھے لیکن سپاہی بے خوف و خطر آتش نمرود میں کود گیا۔ وہ ایک سے دشمن کی چوکی پر فائر کرتا اور پھر پلک جھپکتے چیتے کی طرح جست لگا کر دوسری جگہ پہنچ جاتا تھا۔ جھنجھلائے ہوئے بھارتی فوجیوں نے اس پر

سیکڑوں گولیاں چلائی تھیں لیکن نشانے پر ایک بھی نہیں لگی تھی۔ بہادر اور صف شکن سپاہی ہر مرتبہ اپنے تجربے اور حاضر دماغی کی وجہ سے بچ جاتا تھا اور یہی وہ بات تھی جس نے دشمن کو غصے سے پاگل کر رکھا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ صف شکن سپاہی کی مشین گن کی گولیاں بھی ختم ہوتی جا رہی تھیں۔ ادھر بھارتی سپاہیوں کی لاشوں کی گنتی میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس کی چلائی ہوئی ہر گولی دشمن سے اپنی پوری پوری قیمت وصول کر رہی تھی!!!..... ایک موقع پر صف شکن سپاہی کو محسوس ہوا کہ وہ چاروں طرف سے دشمنوں میں گھر چکا ہے لیکن وہ یہ صورت حال جاننے کے باوجود ذرا نہ گھبرایا..... نہ اس کے آگے بڑھتے قدم ڈگمگائے..... وہ مردانہ وار مقابلہ پر ڈٹ گیا۔ بھارتی سپاہی اس پر گولیوں کی اندھا دھند بوچھاڑ کر رہے تھے لیکن وہ نہایت ہوشیاری سے اپنا دفاع کرتے ہوئے انہیں منہ توڑ جواب دے رہا تھا اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب اس کی مشین گن میں صرف ایک گولی باقی رہ گئی!!!..... اس لمحہ دشمن کی طرف سے کئی برسٹ فائر ہوئے۔ اس پر کیا جانے والے حملہ اس قدر شدید تھا کہ وہ کوشش کے باوجود بچ نہ سکا..... بیک وقت کئی گولیاں اس کے وجود میں اتر گئیں اور وہ زمین پر گر پڑا..... اس کی خاکی وردی تیزی سے سرخ ہونے لگی..... اس نے نظر بھر کر آسمان کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ ابھی تو میرا وعدہ پورا نہیں ہوا۔ اس کے بعد اس نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے پیچھے ہٹتے دشمن کی طرف دیکھا اور اپنے جسم کی رہی سہی قوت کو جمع کرنے لگا اور پھر اچانک فضا میں اللہ اکبر کی گونج سنائی دی..... اس کے ساتھ ہی ایک دھماکہ بھی ہوا..... جس کے فوراً بعد ایک کرہیہ چیخ ابھری جو اس بات کا اعلان تھی کہ سپاہی کی آخری گولی نے دشمن کے ایک اور بُرما کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا!!

”الحمد للہ“ صف شکن سپاہی نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اس کی گردن دائیں طرف ڈھلک گئی..... وہ شہید ہو چکا تھا!..... لیکن آخری سانس اور آخری گولی تک لڑنے کا وعدہ نبھا گیا تھا!!!

☆.....☆.....☆

i- سردار عبدالرب نشتر ii- چوہدری خلیق الزمان iii- نواب سلیم اللہ
9- قائد اعظم نے میٹرک کا امتحان کب پاس کیا؟

i- 1892ء ii- 1893ء iii- 1890ء

10- کس اصول کی وجہ سے لوہے کا بنا جہاز پانی پر تیرتا رہتا ہے؟

i- اصول ایڈیسن ii- اصول ارشمیدس iii- اصول نیوٹن

جوابات علمی آزمائش اگست 2013ء

1- ابولہب 2- تین سورتیں 3- چراغ سحر 4- فرانس 5- قائد اعظم 6- ایبٹ آباد
7- ایک پہاڑ اور گلہری 8- مسیح اللہ 9- گندھک 10- لاہور

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے
3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

☆ سعد انصاری، حیدر آباد (150 روپے کی کتب)
☆ حسن رضا سردار، کاموکی (100 روپے کی کتب)
☆ اسد علی انصاری، ملتان (90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی:
محمد مجیر خان، بھکر۔ ثمن ظفر، راول پنڈی۔ کوئل صادق چوہدری،
گوجرانوالہ۔ حبیب اللہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ آفتاب عالم سرحدی، کرک۔
محمد ذیشان، راول پنڈی۔ محمد اکرم چوہدری، علی پور چٹھہ۔ طہ عبداللہ،
گوجرانوالہ۔ محمد حبیب الرحمن صدیقی، اسلام آباد۔ عبداللہ شاہ، دریا
خان۔ ثمرہ طارق بٹ، گوجرانوالہ۔ کرن طارق، سیال کوٹ۔ محمد بلال
عباس، لاہور۔ عشرت فاطمہ، سیال کوٹ۔ محمد فریاد علی قادری، کاموکی۔
حسین رضا قادری، کاموکی۔ عابدہ الیاس، ہری پور۔ طہ یلین،
حیدرآباد۔ ربیعہ اقبال، کراچی۔ محمد صادق علی، کوٹری۔ عتیقہ محمد اصغر،
ملتان۔ نورالہدیٰ عامر، لاہور۔ عائشہ حیا، لاہور۔ محمد انیس، سرگودھا۔
اریبہ رضوان، گوجرانوالہ۔ محمد ہاشم اسلم، گوجرانوالہ۔ محمد اسد ملک،
راول پنڈی۔ اظہر الدین، کوہاٹ۔ نمرہ لاریب، کوہاٹ۔ سید اشہد
امان بخاری، دریا خان۔ خنساء اشرف، لاہور۔ صغیر حسین، سرائے
سدھو۔ حماد علی، ننکانہ۔ بسمہ محبوب، کراچی۔ انصر علی، وہاڑی۔ مصحف
علی جمیل، لاہور۔ ایمین، ملتان۔ انس بن زکریا، راول پنڈی۔ عاطف
چوہان، منگلا۔ فضہ کیانی، لاہور کینٹ۔ تحریم مریم، ملتان۔ سینا احمد،
راول پنڈی۔ مہر النساء، مہر کنڈا۔ عبید اللہ احمد، پشاور۔ عائشہ ندیم،
مردان۔ سعد سہیل، جہلم۔ زینب کامران، سرگودھا۔ محمد عمر عابد، جھنگ۔



درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1- قرآن کی سورہ اسراء میں کون سا مشہور واقعہ بیان ہوا ہے؟

i- معراج النبی ii- عام الفیل iii- فتح مکہ

2- جناب ابوطالب جس سال فوت ہوئے اس سال کو کیا نام دیا گیا؟

i- عام الحزن ii- عام الفیل iii- سن ہجری

3- ”ان نرم بچھونوں سے خدا مجھ کو بچائے۔ سو جائے کوئی ان پہ تو پھر
اٹھ نہیں سکتا۔“ یہ شعر بانگ درا کی کس نظم سے لیا گیا ہے؟

i- ہمدردی ii- مکر اور مکھی iii- ایک پہاڑ اور گلہری

4- کس مسلمان فلسفی کے دیوان کو ”دیوان شمس و تبریز“ کہا جاتا ہے؟

i- حافظ شیرازی ii- مولانا رومی iii- فردوس طوسی

5- لان ٹینس کے میدان کو کیا کہا جاتا ہے؟

i- ہال ii- کورٹ iii- ڈائمنڈ

6- پاکستان کے کس نام ور ادیب نے اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی
کی ہے؟

i- اشفاق احمد ii- پطرس بخاری iii- قدرت اللہ شہاب

7- کیمرے کا اصول سب سے پہلے کس مسلمان سائنس دان نے بنایا تھا؟

i- جابر بن حیان ii- زکریا رازی iii- ابن الہیثم

8- قائد اعظم کے علاوہ تحریک پاکستان کی کس شخصیت کا یوم پیدائش

25 دسمبر ہے؟

بوجھو تو جانیں



6- گھوم گھوم کے ہوئی تیار
سب کو آئے اس پر پیار
(انصر علی، وہاڑی)

7- مار سے وہ جی اٹھے

اور بن مارے مر جائے

8- میں گئی لینے وہ لگی دینے

اگر وہ نہ دیتی تو میں لے آتی

9- کالی کالی جھاڑیوں میں کالے ننھے ناگ

لوگ پکڑ کر انہیں مروڑیں، جا نہ سکیں بھاگ

10- بہتے سمندر موتی بہیں

سوکھے سمندر میں نہ رہیں

(شہلا رضا، لاہور)

1- رتی بھر سا پیٹ

کھا گئی سارا کھیت

2- شیشے کا مکان

اندر لوہے کا سامان

3- چاؤ سے اس کو گلے لگایا

لیکن اس نے گلا دبایا

(حسب محمود، بورے والا)

4- پتی سی رانی، بانس کی بانہیں

کھائے نہ پیے، ناچے ہوا میں

5- کاغذ میں اک دھاگا

چھوڑ کے اس کو احمد بھاگا

1- بھنگ 2- بھنگ 3- بھنگ 4- بھنگ 5- بھنگ 6- بھنگ 7- بھنگ 8- بھنگ 9- بھنگ 10- بھنگ 11- بھنگ 12- بھنگ 13- بھنگ 14- بھنگ 15- بھنگ 16- بھنگ 17- بھنگ 18- بھنگ 19- بھنگ 20- بھنگ 21- بھنگ 22- بھنگ 23- بھنگ 24- بھنگ 25- بھنگ 26- بھنگ 27- بھنگ 28- بھنگ 29- بھنگ 30- بھنگ 31- بھنگ 32- بھنگ 33- بھنگ 34- بھنگ 35- بھنگ 36- بھنگ 37- بھنگ 38- بھنگ 39- بھنگ 40- بھنگ 41- بھنگ 42- بھنگ 43- بھنگ 44- بھنگ 45- بھنگ 46- بھنگ 47- بھنگ 48- بھنگ 49- بھنگ 50- بھنگ 51- بھنگ 52- بھنگ 53- بھنگ 54- بھنگ 55- بھنگ 56- بھنگ 57- بھنگ 58- بھنگ 59- بھنگ 60- بھنگ 61- بھنگ 62- بھنگ 63- بھنگ 64- بھنگ 65- بھنگ 66- بھنگ 67- بھنگ 68- بھنگ 69- بھنگ 70- بھنگ 71- بھنگ 72- بھنگ 73- بھنگ 74- بھنگ 75- بھنگ 76- بھنگ 77- بھنگ 78- بھنگ 79- بھنگ 80- بھنگ 81- بھنگ 82- بھنگ 83- بھنگ 84- بھنگ 85- بھنگ 86- بھنگ 87- بھنگ 88- بھنگ 89- بھنگ 90- بھنگ 91- بھنگ 92- بھنگ 93- بھنگ 94- بھنگ 95- بھنگ 96- بھنگ 97- بھنگ 98- بھنگ 99- بھنگ 100- بھنگ

بوجھیے؟



ہند سے ملا کے اصل تصویر بوجھیے؟

راستہ بتاؤ: ناصر چاہتا تھا کہ اپنے گھر سے دریا کی سرک کو جائے مگر چونکہ راستہ بہت پیچدار تھا اس لیے وہ جس راستے سے گزرتا تھا وہاں ایک پتا نشانی کے لیے رکھ دیتا تھا تاکہ واپسی میں آسانی ہو۔ کیا آپ ناصر کا راستہ معلوم کر سکتے ہیں، بشرطیکہ آپ ہر پتے پر ایک ہی دفعہ گزریں اور ایک راستے سے دو دفعہ بھی نہ گزریں۔





شاگرد (روتے ہوئے): ”سر! جس جہاز پر مضمون لکھا تھا وہ اڑ گیا۔“
(قمر ناز دہلوی، کراچی)

استاد (شاگرد سے): ”دستک کو جملے میں استعمال کرو؟“
شاگرد: ”میری بہن کو دستک گنتی آتی ہے۔“ (امیر حیدر، تونسہ شریف)
نوکر (کنجوس مالک سے): ”آدمی نے آپ کے گھر میں بم رکھا ہے۔“
کنجوس مالک: ”کچھ رکھا ہے اٹھایا تو نہیں۔“ (صوفیہ ثار، لاہور)
ایک مقدمہ میں بحث کے دوران دو وکیلوں نے لڑنا شروع کیا۔
ایک بولا: ”تم جیسا بے وقوف کوئی نہ ہوگا۔“

دوسرا بولا: ”تم جیسا بے وقوف اور گھٹیا انسان کوئی نہ ہوگا۔“
یہ سن کر جج نے کہا:

”آرڈر! آرڈر! تم کو معلوم نہیں میں یہاں موجود ہوں۔“

(محمد ذیشان معاویہ، ڈیرہ اسماعیل خان)

افسر (سپاہی سے): ”تم نے چور کو کیوں نہیں پکڑا؟“

سپاہی: ”جناب! وہ ایک مکان میں چلا گیا تھا۔“

افسر: ”تم اس کے پیچھے کیوں نہیں گئے؟“

سپاہی: ”دروازے پر لکھا تھا، بغیر اجازت اندر آنا منع ہے۔“

(اسامہ ظفر راجہ، جہلم)

ایک موٹا آدمی تیسری منزل سے نیچے گرا اور ہوش و حواس کھو بیٹھا۔
اسپتال میں آنکھ کھلی، اس نے نرس کو دیکھا اور اطمینان سے کہا:
”خدا کا شکر ہے میں زندہ بچ گیا ہوں۔“

نرس نے جواباً کہا: ”آپ تو بچ گئے ہیں مگر ان تین افراد کی زندگی
کی کوئی امید نہیں جن پر آپ گرے تھے۔“ (عفت گل، فیصل آباد)
ایک صاحب نے ڈاکٹر سے پوچھا: ”پلاسٹک سرجری کتنے کی ہوگی؟“
ڈاکٹر: ”پانچ لاکھ کی۔“

صاحب: ”اگر پلاسٹک ہم خود دے دیں تو؟“ (اسد بن وقاص، ملتان)
لڑکا (فقیر سے): ”تم بھیک کیوں مانگ رہے ہو؟“

فقیر: ”تاکہ سخی اور کنجوس کا پتا چل سکے۔“ (اسامہ حمید چکڑالہ، میاں والی)
مریض (ڈاکٹر سے): ”آپ کتنے عرصے سے میرے دانت نکال
رہے ہیں لیکن ہر بار غلط دانت نکال دیتے ہیں۔“

ڈاکٹر (تسلی دیتے ہوئے): ”آپ فکر نہ کریں، آج درست دانت
نکال دوں گا کیوں کہ اب صرف ایک ہی دانت باقی بچا ہے۔“

(اقراء رشید، تاندلیا نوالہ)



ایک بچہ باغ میں بیٹھا تھا۔ وہ بار بار اپنی جیب سے ٹافیاں نکال کر
کھا رہا تھا۔ ایک شخص کافی دیر سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس سے کہنے
لگا: ”زیادہ بیٹھا کھانے سے انسان جلد مر جاتا ہے۔“

بچے نے کہا: ”میرے دادا جان کی عمر 106 سال تھی۔“

اس شخص نے کہا: ”وہ بیٹھا کم کھاتے ہوں گے۔“ بچے نے کہا:
”نہیں، وہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔“ (محمد جعفر، گروٹ)

چند ڈاکو بینک میں ڈاکا ڈالنے میں مصروف تھے۔ ایک ڈاکو بھاگتا
ہوا وہاں آیا اور بولنے لگا: ”غضب ہو گیا جو کار ہم فرار ہونے کے
لیے لائے تھے، وہ چوری ہو گئی ہے۔“ (یو اعدیل، لاہور)

بس کنڈیکٹر: ”بھائی اپنا بھی اور اس بوری کا بھی ٹکٹ لو۔“

مسافر: ”نہیں، میں ایک ٹکٹ لوں گا۔“

مگر بعد میں جب مسافر مان گیا تو اس نے بوری کا منہ کھولا اور
بولا: ”ارے بھائی! باہر ہی آ جاؤ، جب ٹکٹ لینا ہی ہے تو بوری میں
سفر کیوں کریں۔“ (محمد ابرار اشرف، سدوال کلاں)

ایک بچہ ٹی وی پر ہاکی میچ دیکھ رہا تھا، آخر وہ تنگ آ کر اپنی امی سے بولا:
”امی! آخر یہ ایک گیند اپنی اپنی کیوں نہیں لے لیتے۔“

(حسن رضا، فیصل آباد)

دکان دار (گاہک سے): ”اگر آپ صرف ایک بات کا خیال رکھیں
گے تو یہ چھتری کئی سال آپ کے کام آئے گی۔“

گاہک: ”کس بات کا خیال رکھنا ہوگا؟“

دکان دار: ”بس دھوپ اور بارش سے بچانا ہوگا۔“

(مصباح سہیل، لاہور)

استاد (غصے سے): ”تم نے ہوائی جہاز پر مضمون کیوں نہیں لکھا؟“

انمول پانی ایک فکر انگیز کہانی

انمول پانی

محمد فاروق دانش

”تم دیکھ نہیں رہے، ہم مصروف ہیں۔“ اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں نکال کر آنے والے ملازم کو دیکھا تو وہ بُری طرح جھینپ سا گیا۔

”بے وقت کی معافی چاہتا ہوں۔“ اس نے بدستور گھبراہٹ بھرے لہجے میں کہا۔

”تم جاؤ، کچھ دیر میں بلاتا ہوں۔“ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کو کہا۔

”ٹھیک ہے، میں انھیں بٹھاتا ہوں۔“ اس نے پلٹ کر جانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

اس کے جانے کے بعد اس عامل نے سامنے کے برتن پر کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کی آواز کبھی تیز اور کبھی ہلکی ہو جاتی۔ سب اسے دیکھنے اور اس کی علیت کو سمجھنے میں محو ہو گئے۔ یہ سب اس کے مرید تھے۔ انھیں اس پیر پر کامل یقین تھا۔

کچھ ہی دیر میں اس نے اپنا ورد بند کر دیا اور پھر بھاری بھر کم آواز کمرے میں گونج اٹھی۔

”کون شفا چاہتا ہے؟“

کمرے میں عجیب سی خاموشی تھی۔ اس وقت اس کمرے میں کوئی دس افراد گول گھیرا لگائے بیٹھے تھے۔ ان کے درمیان ایک بڑا سا برتن رکھا تھا۔ سب کی نظریں اس برتن کی جانب تھیں۔ اس برتن کے سامنے ایک عجیب سے حلیے والا شخص تھا۔ تین چار ریشمی گدیاں اس کے دائیں بائیں، آگے پیچھے لگی ہوئی تھیں۔ وہ خود آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ بے ترتیب ڈاڑھی اور عجیب سے کاندھوں تک پھیلے بال، پھر اوپر سے باہر کو نکلتی آنکھیں اس کی شخصیت کو پُر اسرار بنا رہی تھیں۔ لوگوں کے ادب و آداب سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اس شخصیت کو خاصی اہمیت دیتے ہیں۔

”حضور.....!“ اچانک ایک خادم اندر داخل ہوا اور اس نے کمرے میں موجود سکوت کو یک دم توڑ دیا۔ چند افراد کی نگاہیں اس کی جانب اٹھ گئیں۔

”کیا بات ہے.....؟“ پُر اسرار آدمی کی جانب سے کرخت لہجے میں سوال کیا گیا۔

”جی..... وہ..... چند خواتین..... ملاقات کی خواہ.....“ آنے والے نے کچھ ہکلاتے ہوئے کہا۔

”ہم سب علاج کے لیے حاضر ہوئے ہیں جناب محترم!“
 ”ٹھیک ہے، سب کا کام ہوگا۔“ انھوں نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہم آپ کے شکر گزار رہیں گے۔“

”ہمارے پاس جو کچھ ہے اللہ کا دیا ہوا ہے اور اللہ کی مخلوق ہی کے لیے ہے۔“ انھوں نے نہایت انکساری سے کہا۔
 ”یہ لو۔“ یہ کہہ کر پیر نے برتن میں ایک مگ ڈالا اور اس میں سے پانی بھر کر نکالا۔ سب نے اپنے قریب رکھے گلاس اٹھا کر ہاتھ آگے کر لیے۔ پیر صاحب نے ایک ادا سے ہر ایک کے گلاس میں تھوڑا تھوڑا پانی ڈالنا شروع کیا۔ لوگ اس پانی کو پا کر بے حد مسرور ہو رہے تھے۔

”اب اسے پی کر آپ لوگ جلدی سے روانہ ہوں۔ میرے دوسرے مریض بھی انتظار کر رہے ہیں۔“

”ہمیں کتنے دن..... آنا ہوگا۔“ سائلین میں سے سوال کیا گیا۔
 ”آپ لوگوں کو 21 دن برابر حاضر ہونا ہوگا۔ اللہ خیر کرے گا۔“ انھوں نے جواب دیا۔

”آپ کا بہت بہت شکریہ!“ جانے والوں نے انتہائی لجاجت کے ساتھ کہا۔

”شکر اللہ کا مانو۔“ انھوں نے ہاتھ کا اشارہ اوپر کی جانب کرتے ہوئے کہا۔ دو ایک افراد نے جیب میں ہاتھ ڈال کر رقم نکالنے کی کوشش کی تو اندر موجود ایک خادم نے اس کا ہاتھ روک دیا۔
 ”کیا کرتے ہو بھائی! بابا اگر جلال میں آگئے تو پانی بجائے فائدے کے نقصان کر جائے گا۔“

”مگر..... یہ تو..... میری خوشی.....“

”اگر کچھ ڈالنا ہے تو باہر لگے لنگر کے نذرانے میں ڈال دو۔“ اس نے انتہائی خاموشی سے اسے سمجھا دیا۔ وہ لوگ ادب و احترام کے ساتھ بابا کی جانب منہ اور دروازے کی جانب پیٹھ کیے بڑھ گئے۔ باہر نکل کر انھوں نے اپنے اپنے جوتے پہنے اور اپنی راہ چل دیے۔

”بابا! میں آپ کا شکریہ کس منہ سے ادا کروں۔“ ایک خاتون بابا کی جانب مشکور نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ”یہ دیکھیے میرے بیٹے

کو۔“ اس نے اپنے بیٹے کو آگے کرتے ہوئے کہا۔
 ”کیا ہوا تھا اسے!“

”بابا! اس کے جسم پر بہت موٹے موٹے دانے تھے۔“ وہ سعادت مندی سے بولی۔ ”کئی جگہوں سے علاج کرایا تھا لیکن بیماری ختم نہیں ہو رہی تھی۔“

اس نے اپنی کہانی سنانا شروع کر دی تھی۔ ”آپ کے کنویں کے پانی سے نہلانا شروع کیا اور..... نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔“ اس نے بچے کی پیٹھ اور ہاتھ پیر انھیں دکھانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔
 ”اب کیا چاہتی ہو بچہ!“ وہ رعونت سے بولے۔

”اس کے لیے دعا کریں بابا!“

”یہ تیری بڑی خدمت کرے گا۔ جا بچہ!“

ان کے یہ جملے سن کر وہ عورت ان کو ڈھیروں دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہو گئی۔

”میرا بچہ خسرہ کا شکار تھا سائیں!“ ایک اور عورت نے اپنی کہانی شروع کی۔ ”21 روز آپ کا دم کیا ہوا اس کنویں کا پانی پلایا۔ اب یہ بھلا چنگا ہے سائیں۔“

پیر صاحب نے اس عورت اور اس کے بچے کو بھی جی بھر کر دعائیں دیں اور یوں آنے والی تمام خواتین کو فارغ کر دیا۔ کسی نے فائدے کا بتایا اور کسی نے تکلیف بتا کر پانی پیا اور کوئی کنویں کے پانی سے نہا کر چلا گیا۔ بعضوں کو پیر صاحب پانی سے بھرے برتن کے آگے بٹھا کر خصوصی مراقبہ کرتے کہ جس کا ان پر ایک خاص اثر پڑتا اور یوں وہ پیر صاحب کی خصوصیات سے متاثر ہوتے چلے جاتے۔

ایسے متاثرین باہر جاتے وقت لنگر کے نذرانے کے طور پر ہزاروں روپے ڈبے میں ڈال کر چلے جاتے۔ گویا یہ سلسلہ جاری و ساری تھا۔ لوگ تھے کہ اس عمل پر بے حد خوش تھے۔

”ارے بھئی! کون لوگ ہیں آپ؟“ ایک خادم نے جب ایک لڑکے اور اس کے ساتھ دو تین افراد کو ان کے کنویں کی طرف جاتے دیکھا تو وہ ان کے پیچھے ہو لیا اور انھیں وہاں تک جانے سے روکنے لگا۔

”دیکھیے! میں ادھر موجود کنویں کا تھوڑا سا پانی لے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔“ لڑکے نے بے ساختگی سے کہا اور آگے بڑھنے لگا۔ ”مجھے ایک خاص کام ہے۔“

”ارے رکو تو سہی! تم ایسے پوچھے بغیر کنویں کی طرف نہیں جا سکتے۔“ وہ ایک دم ان سب کے سامنے آگیا۔

”مگر یہ کنواں کسی کی ذاتی ملکیت تو نہیں ہے۔ یہ تو کافی عرصے سے یہاں پر ہے۔“ لڑکے نے اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو اب اس کے گرد تم لوگوں نے چار دیواری لگا کر اسے اپنے کنٹرول میں کر لیا ہے۔“

”آخر تم ہو کون؟“

”میں بچوں کے ایک اخبار کا نمائندہ ہوں۔ میں اس پانی کے حوالے سے ایک رپورٹ بنا رہا ہوں!“ اس نے کہا۔

”کیا بات ہے سلمان! کیسا شور ہے؟“ پیر صاحب نے اندر کمرے میں کچھ آوازیں سنیں تو وہ باہر نکل آئے۔ اس وقت وہ بالکل فارغ تھے۔ اس لیے معاملہ دیکھنے چلے آئے۔

”پیر صاحب! یہ لڑکا زبردستی

کنویں کی طرف جانا چاہتا ہے۔“

”نا بچہ نا!“ پیر صاحب نے اطمینان سے ہاتھ پھیلا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ ”اس کنویں کی طرف بغیر وضو اور دو نفل نماز پڑھے بغیر نہیں جایا جا سکتا۔“ انھوں نے اسے مرعوب کرنے کی کوشش کی۔

”اور سائیں کی اجازت بھی ضروری ہے۔“ ایک اور خادم اندر سے آچکا تھا۔ ”ورنہ سب بے کار ہے۔“

”حق ہے، سب سچ ہے!“ ایک اور مرید نے جھومتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ کنواں تو کئی سالوں سے یہاں پر ہے۔ پہلے لوگ یہاں

ایسے ہی آیا جایا کرتے تھے۔“ یہ لڑکا جس کا نام ناصر تھا، کچھ چڑ کر بولا۔ ”آپ اس کے مالک کب سے بن گئے؟“

”بڑی ہمت ہے تمہارے اندر لڑکے۔“

پیر نے غصے سے اپنے دیدے گھمائے لیکن وہ نمائندہ لڑکا بے خوف تھا۔ ان نظروں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

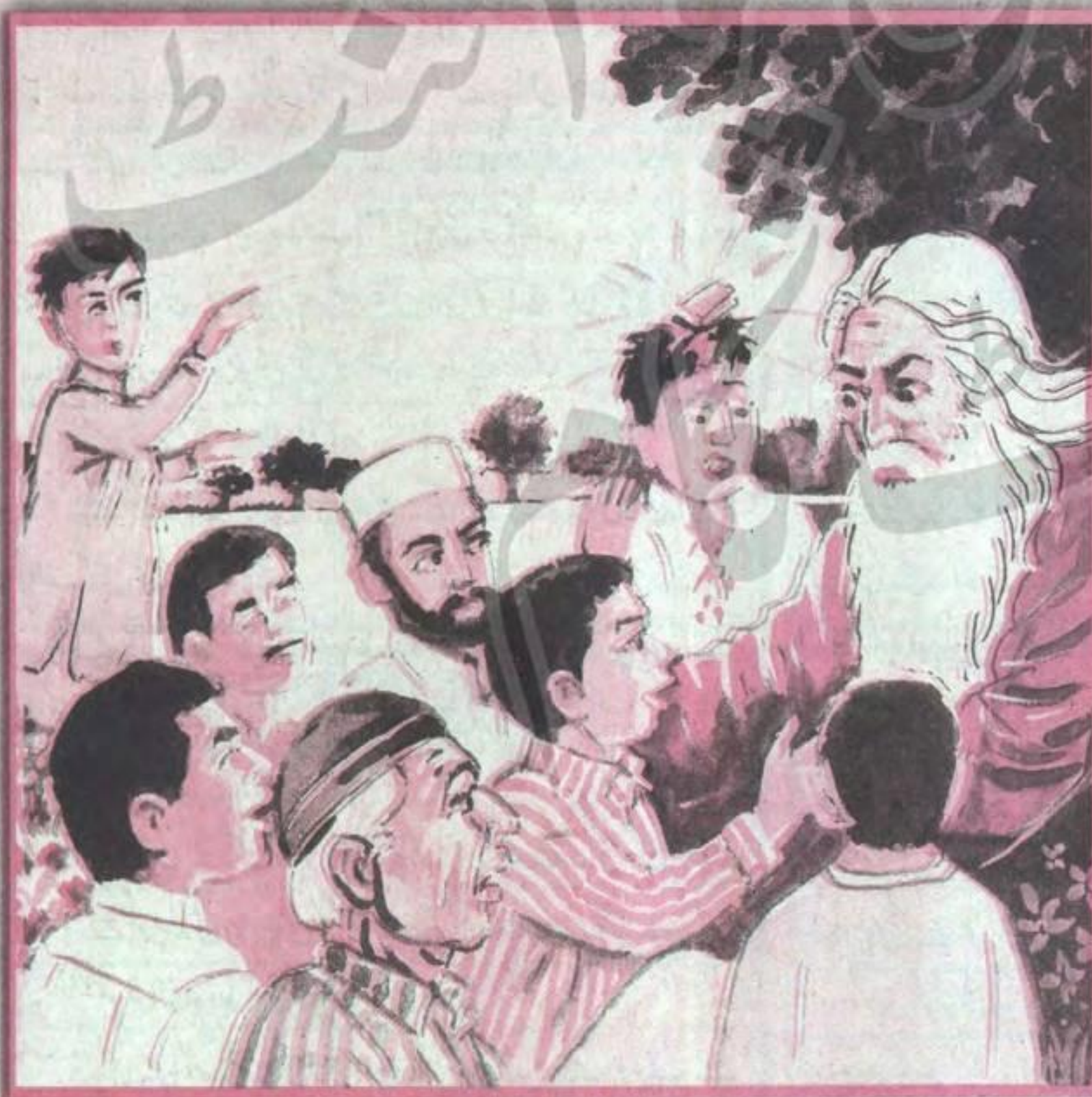
”یہ کنواں ہمارے پرکھوں کی امانت ہے۔ ہم نے مشکل سے اسے واپس لیا ہے۔“ انھوں نے از خود وضاحت کر کے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

”آپ جو بھی کہیں لیکن مجھے اس کنویں سے پانی لے کر جانا ہے۔“ وہ اٹل لہجے میں بولا۔

”اگر یہ بات ہے تو ہم کب منع کر رہے ہیں۔ ہم تو خود لوگوں کو پانی دے رہے ہیں۔ تم وقت مقررہ پر آنا۔“

”اس کنویں کے پانی پر میں ایک رپورٹ بنانا چاہتا ہوں۔“ اس نے وضاحت پیش کی۔

”مگر کیوں منے!“ اخباری نمائندے کا نام سن کر ان کا لہجہ نرم



پڑ چکا تھا۔

”اس کنویں میں زہریلے معدنیات ہیں..... اس کو پی کر دو چار بچے مر بھی چکے ہیں!“

”ارے ارے توبہ کرو، یہ کیا کہہ دیا۔ دن رات مختلف جلدی بیماریوں والے یہاں آتے ہیں اور شفا یاب ہو کر جاتے ہیں۔“ ایک خادم نے پیر صاحب کی بھرپور وکالت کرتے ہوئے کہا۔

”وہ تو اس لیے کہ اس کے پانی میں گندھک اور زنک وغیرہ بھی موجود ہے۔ اس وجہ سے شفا ہو جاتی ہے۔“ لڑکا ذہین تھا اور ساری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔ اس کا مقصد تھا کہ اس پانی کو لیبارٹری سے ٹیسٹ کرا کے عوام کو اصل حقائق سے باخبر کرے۔ ابھی ان میں یہ بات چل ہی رہی تھی کہ پیر صاحب کے ملاقاتیوں کا وقت شروع ہو گیا۔ لوگ آنا شروع ہوئے تو ان کی جان میں جان آئی۔ اس نے اپنے بچاؤ کے لیے اپنے چیلوں کو استعمال کرنے کا سوچ لیا۔

”دیکھو! یہ نعمان صاحب ہیں۔ آپ بتائیے! کیا ہوا تھا؟“ اس نے ایک صاحب کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

”میرے بچے کو داد اور چنبیل کی بیماری نے گھیر رکھا تھا، پیر صاحب کے اس کراماتی کنویں نے اسے بالکل شفا یاب کر دیا ہے۔“ اس شخص نے سر ہلا کر مزے لے لے کر کہا۔

”اور یہ دیکھو سعید صاحب!“ ”میری تو ٹانگ سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ اس پانی کی دھار اور ٹکڑ چلتی رہی تو آج میں چلنے پھرنے کے لائق ہوں۔“ ”میری بچی کا خسرہ درست ہو گیا۔“

”میرے بیٹے کا بخار!“ اور..... اور..... اور..... جتنے لوگ تھے، وہ بابا کی تعریف کر رہے تھے۔ کوئی بھی ان کا مخالف نہیں تھا۔

”میری بات سنئے!“ اچانک وہ چلا کر بولا۔ ”یہ ان کے وظائف یا ان کے پانی کی کرامات نہیں ہیں؟“ ”تو پھر.....؟“

”بات یہ ہے کہ کنویں میں زنک اور گندھک کی کثیر تعداد موجود ہے جو جلدی بیماریوں کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔“

”تم خواجواہ معاملے کو الجھا رہے ہو۔“ ”پانی میں آرسینک کی موجودگی کا بھی شک ہے۔ دو ایک بچے

پانی پینے کے آداب سنت نبوی اور جدید سائنس

جناب عبداللہ عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں پانی مت پیا کرو، ٹھہر ٹھہر کر دو تین سانس میں پیا کرو، جب پینے لگو تو بسم اللہ پڑھ کر پیو۔ فارغ ہوا الحمد للہ ہو۔ (جامع ترمذی) حضور اقدسؐ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا۔ نبی کریمؐ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اگر تمہیں پتال لگ جائے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کا اتنا نقصان ہے تو وہ پانی تم حلق میں انگلی ڈال کر باہر نکال دو۔ (رہبر زندگی) جدید سائنسی تحقیق کے مطابق کھڑے ہو کر اور ایک سانس میں پانی پینے سے جسم میں پانی جلد جذب ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے گردوں پر گہرا اثر پڑتا ہے اور جسم کے تمام حصوں پر ورم کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ خصوصاً پاؤں پر جسے سائنسی اصطلاح میں Edema کہا جاتا ہے۔

کھانے کے بعد پانی پینا معدے کی عضلات کو ڈھیلا کرتا ہے، معدے کی اندرونی جھلی کے ورم کا باعث بنتا ہے اور معدے میں اساس (Alkali) کی نسبت کم ہو جاتی ہے اور تیزابیت بڑھ جاتی ہے۔

تین سانسوں میں پانی پینے کا عمل صحت کے لیے مفید ہے۔ وقفوں سے گھونٹ بھرنے سے آخری گھونٹ، پہلے سے لیے جانے والے گھونٹوں سے رہ جانے والی پیاس کو بجھاتا ہے۔ مزید کہ یہ طریقہ معدے کے درجہ حرارت کو غیر معمولی تبدیلی سے بھی روکتا ہے۔

اس پانی کو پینے سے مرچکے ہیں۔“ اس نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ بولتا رہا، وہ انکار کرتے رہے۔ ”اس کنویں میں دراصل برابر کی سیم والی زمینوں کے پانی کا رساؤ ہے جو صحت کے لیے نقصان دہ.....“ اس کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔

”تم ہمیں اپنے پیر سے ورغلا نہیں سکتے۔“ ایک شخص کو اچانک غصہ چڑھ گیا۔ اس کے جواب میں ناصر نے ایک سخت جملہ کہہ دیا تو ایک کوٹیش آگیا اور اس نے قریب پڑی ایک اینٹ ناصر کی طرف اچھال دی۔ وہ اس جملے کے لیے قطعی تیار نہ تھا۔ اینٹ اس کے سر پر جا لگی اور اس کا سر پھٹ گیا۔ بھولے بھالے معصوم لوگوں کو حقیقت سے آگاہ کرنے کا اس کا منصوبہ خاک میں مل چکا تھا جب کہ وہ پیر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے وہ جس مشکل میں پھنس چکا تھا، اسے اس کے بھولے بھالے معصوم شکاریوں نے خود ہی نکال دیا تھا۔

اور وہ لڑکا جو اس دکان داری کو ختم کرنے کے لیے آیا تھا، اب اپنے سر سے بہنے والا خون صاف کرنے میں مصروف تھا۔



سوال یہ ہے کہ.....!

انعامی سلسلہ

۱۔ اَلْغَفُورُ جَلَّ جَلَالُهُ کا کیا مطلب ہے؟

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں پیدا ہوئے؟

۵۔ بانگ درا کا کیا مطلب ہے؟

۲۔ چینی کا کیمیائی فارمولا کیا ہے؟

۴۔ سوڈیم بائی کاربونیٹ کو عام زندگی میں کیا کہتے ہیں؟

۶۔ انصار برنی کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

درج بالا سوالوں کے جوابات ستمبر 2013ء کے شمارے میں موجود ہیں۔ آپ رسالہ غور سے پڑھیے اور اپنے جوابات لکھ بھیجئے۔ درست جواب دینے والے تین خوش نصیبوں کو 300 روپے کی انعامی کتب دی جائیں گی۔ تین سے زیادہ درست حل آنے کی صورت میں بہ ذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جائیں گے۔

اگست 2013ء میں بہ ذریعہ قرعہ اندازی انعام یافتگان کے نام:

3۔ سرہ رمضان، فیصل آباد

2۔ مہرال فاطمہ، اسلام آباد

1۔ سیدہ نورالہنتی، راول پنڈی

آئیے عہد کریں

کوپن ارسال کرنے کی آخری تاریخ 10 ستمبر 2013ء ہے۔

نام _____ مقام _____
میں عہد کرتا/کرتی ہوں کہ _____
موبائل نمبر: _____

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 ستمبر 2013ء ہے۔

کھوج
لگائیے

نام _____ شہر: _____
مکمل پتا: _____
موبائل نمبر: _____

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 ستمبر 2013ء ہے۔

دماغ لڑاؤ

نام: _____ مقام: _____
مکمل پتا: _____
موبائل نمبر: _____

کوپن ارسال کرنے کی آخری تاریخ 10 ستمبر 2013ء ہے۔

سوال یہ ہے کہ.....!

نام _____ عمر _____
مکمل پتا: _____
موبائل نمبر: _____

میری زندگی کے مقاصد

کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام _____ شہر _____
مقاصد _____
موبائل نمبر: _____

اگست کا موضوع "مخاڑ جنگ" ارسال کرنے کی آخری تاریخ 08 ستمبر 2013ء ہے۔

ہونہار مصور

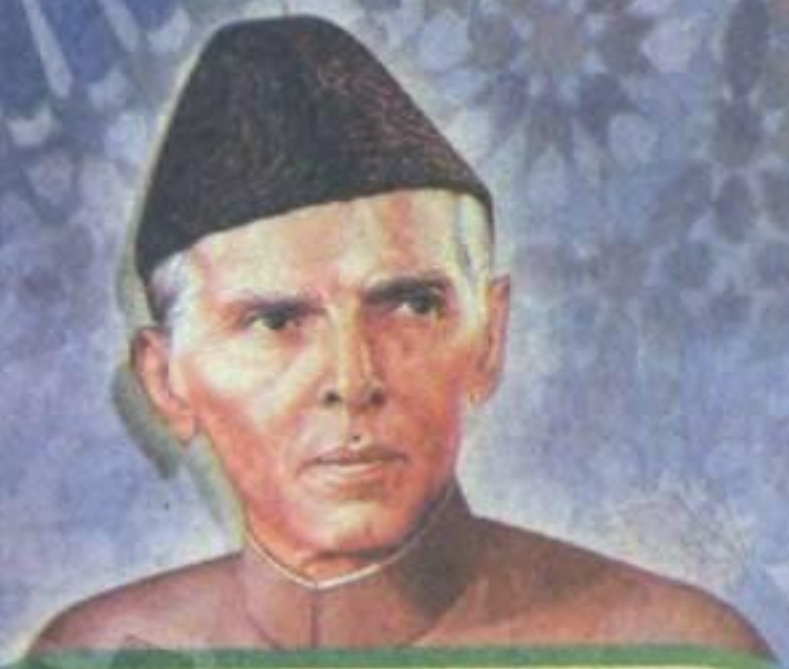
نام _____ عمر _____
مکمل پتا: _____
موبائل نمبر: _____



یہ چیزیں خاکے میں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ ان چیزوں کو تلاش کیجئے اور شاباش لیجئے۔



© Liz Ball



چھ ستمبر

لکھی ہے دل پہ تیری ہر بات چھ ستمبر
جن کے سبب سے تو ہے سوغات چھ ستمبر
اعدا پہ وہ جھپٹنا شاہین کا ہمارے
دشمن کا کھا کے گرنا ضربات چھ ستمبر
بھاگی تھی دم دبا کر جب بزدلوں کی ٹولی
اس پر کھلی تھی اس کی اوقات چھ ستمبر
جب قوم آہنی اک دیوار بن گئی تھی
محفوظ تھی وطن کی بارات چھ ستمبر
روکے ہوئے تھے سینے یلغار ٹینکوں کی
اور بن گیا تھا ”ایٹم“ ہر ہاتھ چھ ستمبر
دل کو لبھا رہے تھے جو رزمیہ ترانے
تھے دشمنوں پہ بھاری نغمات چھ ستمبر
بھولے ہیں ہم نہ بھولا وہ نیر حملہ آور
”دن“ حشر تھا، قیامت تھی، رات چھ ستمبر

قائد اعظم

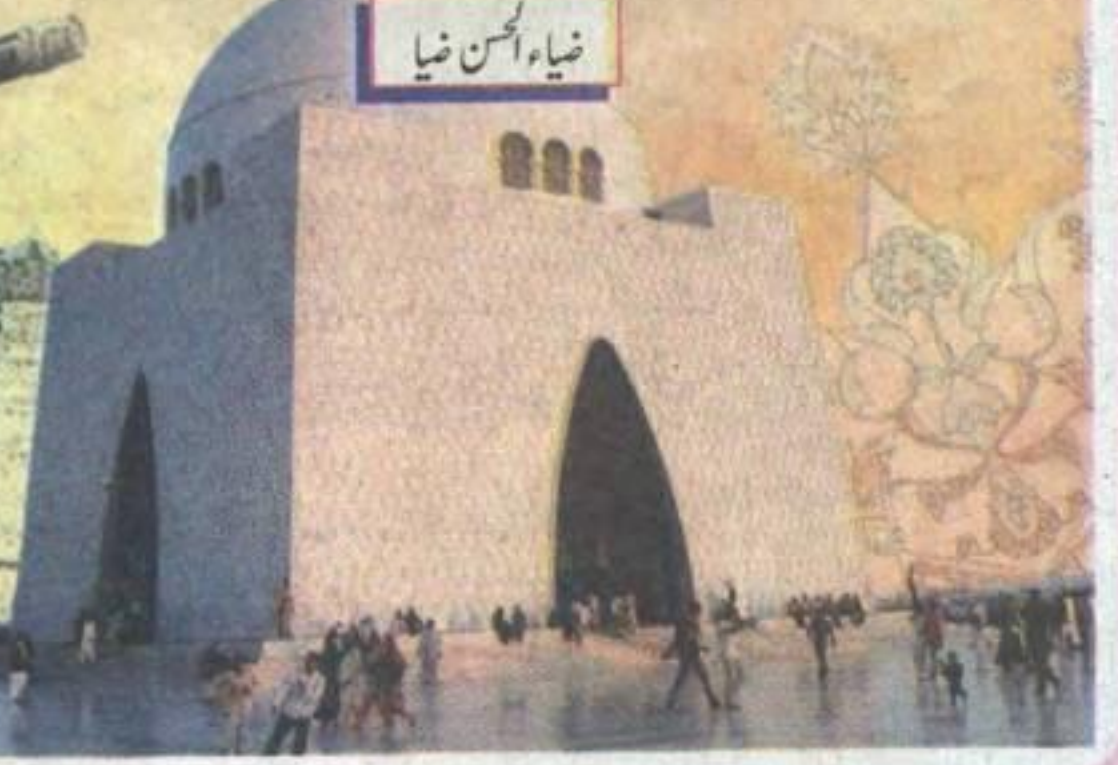
قائد اعظم کی ہر بات
اپنے واسطے ہیں سوغات
زندہ ان کا ہر فرمان
کتنا اچھا عالی شان
ہمیں بتائے اچھے اصول
جیسے خوشبو والے پھول
ہم سب کو بیدار کیا
کیسا اچھا ملک دیا
آزادی کی نعمت ہے
اس سے قائم عزت ہے
پاک وطن کی قدر کرو
اس کی خاطر جیو مرو



امان اللہ نیر شوکت



ضیاء الحسن ضیا





حکمِ حق



انمول باتیں

- ☆ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کو لازمی قرار دیا۔
- ☆ صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو۔
- ☆ زبان کا غلط استعمال جہنم میں ڈال دے گا۔
- ☆ عقل مندی کی بنیاد خوفِ خدا پر ہے۔
- ☆ تم لوگوں سے اچھا برتاؤ کرو۔
- ☆ جب بھی سوال کرے تو سوال کر اللہ تعالیٰ سے بے شک ہر بدعت گمراہی ہے۔
- ☆ تمام امور کی چوٹی اسلام ہے۔
- ☆ نیکی حسن اخلاق کا نام ہے۔ (نورین رفیق، گوجرانوالہ)

سنہری باتیں

- ☆ حضورؐ نے فرمایا: ”تم میں سے بہترین وہ ہے جو دوسروں کی مدد کرے۔“
- ☆ غصہ ہمیشہ حماقت سے شروع ہوتا ہے اور ندامت پر ختم ہوتا ہے۔
- ☆ نماز روحانی غذا ہے۔
- ☆ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم اچھی بات نہیں کر سکتے تو خاموش رہو، کیوں کہ خاموشی بھی عبادت ہے۔
- ☆ حضورؐ نے فرمایا: ”جس نے نماز چھوڑی اس نے کفر کیا۔“
- ☆ حضورؐ نے فرمایا: ”علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔“ (منابلِ افضل، لاہور)

شیطان کا سامانِ تجارت

حضرت عیسیٰؑ نے دیکھا کہ شیطان چار گدھوں پر سامانِ تجارت لادے ہوئے جا رہا ہے۔ آپؑ نے پوچھا: اے مردود یہ کیا لے جا رہا ہے؟ شیطان نے کہا: یہ مالِ تجارت ہے۔ ایک گدھے پر ظلم، دوسرے پر خیانت، تیسرے پر مکر و فریب اور چوتھے گدھے پر حسد لادا ہوا ہے۔ پیغمبر خداؑ نے پوچھا: اس مال کا خریدار کون ہے؟ شیطان نے کہا: ظلم حکمرانوں اور بادشاہوں کے کام کی چیز ہے۔ وہ اس کو خریدتے ہیں۔ خیانت تاجروں کے ہاتھ فروخت کرتا

حمد باری تعالیٰ

بگڑے کام وہ بنانے والا
آگ میں پھول کھلانے والا
چاند کو چاندنی وہ دیتا ہے
نور ہر سمت پھیلانے والا
ساری دنیا، ساری مخلوق
ہے اور کوئی بنانے والا؟
جس نے دن رات کیے ہیں پیدا
وہی اللہ ہے مجھ کو بنانے والا
ہاں وہی ہے جو سبزہ و گل سے
ساری دھرتی کو سجانے والا
اس زمانے کے سب مصائب سے
کون ہے مجھ کو بچانے والا
میرے اللہ تیری حمد و ثنا
کیسے لکھے گا کوئی شعر بنانے والا

(فضہ سکندر، سرگودھا)

آصف، کاشف، عالیہ

آصف، کاشف دو بھائی ہیں
اور عالیہ ان کی بہنا
جتنے ملنے جتنے والے
سب کا یہی ہے کہنا
تم تینوں کی دوستی اچھی
سدا یونہی سنگ رہنا
ہر تکلیف کو ہر مشکل کو
سب نے مل کر ہے سہنا
بات سنو سب بھائیو بہنو
پیار سے مل کر رہنا

(عالیہ ضیاء، کراچی)

ہوں۔ مکر و فریب عورتوں کا پسندیدہ مال ہے اور حسد کی علماء کے ہاں بہت مانگ ہے۔ میرے تمام مال کے گاہک موجود ہیں۔

(تذیلہ اسلم، مہلووالہ)

سنہرے لوگ سنہری باتیں

ہارون الرشید کے دربار میں ایک شخص پیش ہوا۔ وہاں اس نے ایک تماشا دکھانے کی اجازت حاصل کی اور صحن کے بیچوں بیچ ایک سوئی گاڑ دی۔ پھر کچھ فاصلے پر جا کے اس نے ایک سوئی پہلی سوئی کی طرف پھینکی۔ یہ سوئی سیدھی گڑی ہوئی سوئی کے ناکے میں چلی گئی۔ لوگ اش اش کراٹھے۔ ہارون الرشید نے حکم دیا کہ اس شخص کو ایک دینار انعام دیا جائے اور دس درے مارے جائیں۔ انعام کی وجہ اس کی ذہانت اور شاقی ہے اور سزا کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنا ذہن اور وقت ایسے فضول کام پر صرف کیا۔

(محمد یوسف وحید، خان پور)

قیمتی شربت

حضرت امام حسنؑ کے یہاں ایک مہمان آیا۔ اس نے کھانا کھانے کے بعد شربت طلب کیا۔ حضرت امام حسنؑ نے دریافت کیا، آپ کو کون سا شربت درکار ہے؟ مہمان نے جواب دیا کہ وہ شربت جو نہ ملنے کے وقت جان سے زیادہ قیمتی اور مل جانے کے وقت نہایت کم وقعت ہوتا ہے۔ حضرت امام حسنؑ نے نوکروں سے فرمایا کہ ”مہمان پانی مانگتا ہے۔“ حاضرین کو آپؑ کی ذہانت پر حیرانی ہوئی۔

(ماہ نور، مردان)

باتوں سے خوشبو آئے

☆ نیکی کے کاموں میں دیر نہ کرو کیوں کہ موت تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہے۔

☆ ایک اچھا دوست اس وقت ملتا ہے جب انسان خود اچھا ہو۔
☆ عبادت میں اگر خلوص نیت نہ ہو تو وہ تجارت بن جاتی ہے۔
☆ زندگی ایک ون وے کی طرح ہے آپ جا تو سکتے ہیں لیکن واپس نہیں آسکتے۔

☆ سیاسی لیڈر اگر سچ بولنا شروع کر دے تو اس نے سیاست میں آنے کی غلطی کی یا سچ بولنے کی۔

☆ احسان کی دولت سے محروم دل بنجر زمین کی مانند ہوتا ہے۔

☆ ایک سچا دوست ہیرے سے کم نہیں ہوتا۔

☆ کسی کا برا چاہنے والا کبھی خوشی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

☆ جہاں خلوص نظر آئے وہاں دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ۔

☆ نیکی پر غرور کرنا اس کا اجر ضائع کر دیتا ہے۔

☆ پہلے وہ کام شروع کرو جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔

☆ گناہ گار دنیا کا دیوانہ ہوتا ہے اور نیک آدمی آخرت کا۔

☆ مسکراہٹ دنیا کی سب سے خوب صورت زبان ہے۔

☆ اچھے الفاظ سے اچھے جملے بنتے ہیں اور اچھے جملوں سے اچھا

(سرمد شمریز، راولا کوٹ)

اخلاق بنتا ہے۔

عقل کی بات

حمزہ کچھ دنوں کے لیے گاؤں سے شہر آیا ہوا تھا۔ حمزہ ایک کسان تھا۔ اس نے اپنے ساتھ کام کرنے کے لیے تین ملازم رکھے ہوئے تھے۔ وہ شہر میں کھاد لینے کے لیے آیا تھا۔ اس نے ایک دکان کے اوپر دیکھا۔ اس پر لکھا ہوا تھا۔ ”عقل کی بات خریدیں، ایک لفظ کا ایک روپیہ۔“ وہ اس دکان کے مالک سے ملا اور اس دکان دار کو سترہ روپے دیئے۔ اس دکان دار نے ایک روپیہ واپس کر دیا۔ اس نے ایک کاغذ پر سولہ ہندسوں پر مشتمل ایک جملہ لکھ دیا۔ وہ جملہ یہ تھا۔ ”آج کا کام کل پر مت چھوڑ۔“ حمزہ اس کاغذ کو اور کھاد کو لے کر اپنے گاؤں واپس آ گیا۔ اس دن بادل نہیں تھے۔ اس کے ملازم جو اس کے ساتھ کھیت میں کام کرتے تھے، انہوں نے کہا کہ فصل تیار ہے۔ اس کو کل کاٹ لیں گے۔ حمزہ کا دھیان اس کاغذ پر لکھے جملے کی طرف گیا جو اس نے آج صبح سولہ روپے کا خریدا تھا۔ حمزہ نے اپنے ملازموں سے کہا، نہیں! آج شام ہونے سے پہلے یہ فصل میرے گھر پہنچا دینا بلکہ میں تمہارے ساتھ خود فصل کاٹنے میں مدد کروں گا۔

حمزہ اور اس کے ملازموں نے فصل کاٹ کر اس کے گھر پہنچا دی۔ رات کو اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ رات کو تیز آندھی اور طوفان کے ساتھ بارش ہوئی اور سارے لوگوں کی فصلیں تباہ ہو گئیں۔ حمزہ کی فصل بچ چکی تھی اب وہ اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔ (سلیمان علی اعوان، راول پنڈی)



میری زندگی کے مقاصد



شہیر احمد خان، واہ کینٹ
میں بڑا ہو کر فوجی بنوں گا اور غریبوں کا مفت
علاج کروں گا۔



محمد رمضان، کراچی
میں بڑا ہو کر فوجی بنوں گا اور شہادت کا
رتبہ حاصل کروں گا۔



زارا گیلانی، کوہاٹ
میں بڑی ہو کر سائنس دان بنوں گی
اور اپنے ملک کا نام روشن کروں گی۔



منیب عابد، لاہور
میں مکینیکل انجینئر بنوں گا اور ملک کا
نام روشن کروں گا۔



شادویہ خان، فیصل آباد
میں انجینئر بن کر ملک و قوم کی خدمت
کروں گا۔



منیبہ توقیر، لاہور
میں بڑی ہو کر استانی بنوں گی اور
غریب بچوں کو مفت پڑھاؤں گی۔



سعد اللہ فخر، ساہی وال
میں بڑا ہو کر استاد بنوں گا اور غریب
بچوں کو مفت تعلیم دوں گا۔



فریحہ احمد، ڈیرہ غازی خان
میں ڈاکٹر بن کر انسانیت کی خدمت
کروں گی۔



حسان قدیر، لاہور
میں بڑا ہو کر پاک فوج میں جاؤں گا
اور اپنے ملک کی حفاظت کروں گا۔



محمد ابراہیم، سیال کوٹ
میں بڑا ہو کر فوج میں جاؤں گا اور
ملک کی حفاظت کروں گا۔



بلال قیصر، وزیر آباد
میں انجینئر بن کر اپنے ماں باپ کا نام
روشن کروں گا۔



اویٰ فاطمہ، تھنگ
میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور
غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔



محمد اسامہ وحید، ہری پور
میں انجینئر بنوں گا اور ماں باپ کا نام
روشن کروں گا۔



ماہ کامل نسیم، اسلام آباد
میں فلاحی کام کروں گی اور اسپتال
بنا کر غریبوں کا مفت علاج کروں
گی۔



سروش راشد، واہ کینٹ
میں بڑا ہو کر انجینئر بنوں گا اور ملک و
قوم کی حفاظت کروں گا۔



محمد وہیب، کراچی
میں بڑا ہو کر پاک فوج میں جاؤں
گا اور سرحدوں کی حفاظت کروں
گا۔



محمد عبداللہ گل، راولپنڈی
میں انجینئر بن کر ملک و قوم کی خدمت
کروں گا۔



رعبیزین طارق، راولپنڈی
میں انجینئر بن کر ملک و قوم کا نام
روشن کروں گا۔



اسامہ بن طاہر، منڈی بہاؤ الدین
میں بڑا ہو کر فوج میں جاؤں گا اور
ملک کی سرحدوں کی حفاظت کروں
گا۔



طلحہ سمیر، وہاڑی
میں بڑا ہو کر پاک فوج میں جاؤں گا
اور ملک و قوم کی حفاظت کروں گا۔



محمد جمال گیلانی، کوہاٹ
میں بڑا ہو کر فوجی بنوں گا اور ملک کی
حفاظت کروں گا۔



سیدہ شمن ساجد، راولپنڈی
میں ڈاکٹر بنوں گی اور غریبوں کا مفت
علاج کروں گی۔



واثقہ نذر، سیال کوٹ
میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور عوام
کی خدمت کروں گی۔



منال نسیم، اسلام آباد
میں بڑی ہو کر استانی بنوں گی اور ہر
گھر میں علم کی روشنی پھیلاؤں گی۔



سونیا، کراچی
میں پڑھ لکھ کر اچھا انسان بنوں گی اور
شبہ تبدیلی کا نمائندہ بنوں گی۔

دُنیا میں آئی۔ مکڑی گوشت خور جانور ہے۔ ان کی کچھ اقسام چھپکلیاں اور پرندے بھی کھا جاتی ہیں۔ نر مکڑی کی عمر کم ہوتی ہے جب کہ مادہ مکڑی زیادہ عرصہ زندہ رہتی ہے اور ایک وقت میں سینکڑوں انڈے دیتی ہے۔ اکثر مادہ مکڑیاں اپنے بچوں کا خیال رکھتی ہیں۔ مکڑیوں کی آنکھیں بڑی پیچیدہ ہوتی ہیں کیوں کہ ان میں آٹھ آنکھیں ہو سکتی ہیں۔ مکڑیاں جسامت میں 0.37 ملی میٹر سے 90 ملی میٹر تک ہوتی ہیں۔ ٹانگیں 250 ملی میٹر تک لمبی ہوتی ہیں۔ مکڑی کی اوسط عمر 25 سال ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ غار ثور میں دشمن سے بچنے کے لیے پناہ لی تو مکڑی نے منہ پر جالا بن کر کافروں کو غار میں داخلے سے روک دیا۔

چینی

ہم روزانہ چائے میں چینی ڈال کر پیتے ہیں۔ چینی کو ٹیبل شوگر یا سکروز (Sucrose) بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا کیمیائی فارمولا $S_{12}H_{22}O_{11}$ ہے۔ چینی سفید دانے دار ہوتی ہے جس کی کثافت



$1.587g/cm^3$ جب کہ نقطہ پگھلاؤ $186^\circ C$ ہے۔ چینی آسانی سے پانی میں حل نہیں ہوتی۔ البتہ یہ ذائقے میں میٹھی ہوتی ہے۔ اس کی شمولیت سے غذا میٹھی ہو جاتی ہے۔ اس کا شمار نشاستہ دار غذاؤں میں ہوتا ہے۔ لفظ شوگر لاطینی زبان کے لفظ Sucrum سے نکلا ہے۔ اندازاً دُنیا بھر میں 170 ملین میٹرک ٹن چینی سالانہ پیدا ہوتی ہے۔ اس کا ذریعہ عموماً گنا یا چندر ہوتے ہیں۔ یہ توانائی



مکڑی

مکڑی (Spider) کا تعلق حشرات سے ہے۔ یہ فائلم آرٹھرو پوڈا سے تعلق رکھتی ہے۔ ان میں حرکت کے لیے آٹھ ٹانگیں پائی جاتی ہیں۔ مکڑیوں کی 46678 اقسام (Species)



دریافت ہو چکی ہیں۔ سوائے براعظم انٹارکٹیکا کے، یہ پوری دُنیا میں پائی جاتی ہے۔ مکڑی کی متعدد اقسام میں زہریلے ڈنک ہوتے ہیں جو خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ دوسرے حشرات کے برعکس ان کی ٹانگوں میں پھیلاؤ (Extensor) والے عضلات نہیں ہوتے۔ ان کے پیٹ پر ایسے اُبھار پائے جاتے ہیں جنہیں "Spinnerets" کہتے ہیں۔ ان سے ایک مادہ خارج ہوتا ہے جو ریشم کی طرح کا ہوتا ہے جس کی مدد سے مکڑی جالا بناتی ہے۔ یہ مادہ پیٹ میں موجود چھ قسم کے Silk Glands غدود خارج کرتے ہیں۔ اندازہ ہے کہ مکڑی 299 سے 318 ملین سال قبل



کا ذریعہ بھی ہے۔ چینی کے ایک گرام سے 3.94 کلو کیلوری توانائی حاصل ہوتی ہے۔ اس کا زیادہ استعمال موٹاپا پیدا کرتا ہے اور دانتوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ خیال ہے کہ ایک عام آدمی 35 سے 40 کلو چینی سالانہ کھا جاتا ہے۔ یورپ، امریکہ، انڈونیشیا، چین، متحدہ عرب امارات، روس، ملائیشیا، کوریا اور جاپان چینی خریدنے والے بڑے ممالک ہیں جب کہ برازیل، تھائی لینڈ، آسٹریلیا، بھارت، گوئٹے مالا، میکسیکو، کولمبیا اور کیوبا چینی فروخت کرنے والے بڑے ممالک ہیں۔ چینی کی پیداوار والے ممالک میں پاکستان 9 ویں نمبر پر ہے جب کہ چینی استعمال کرنے والے ممالک میں بھارت پہلے اور پاکستان 8 ویں نمبر پر ہے۔

جاپانی ین

ین (Yen) جاپان کی کرنسی ہے جس کا شمار ڈالر اور یورو کے بعد سب سے زیادہ عالمی تجارت میں استعمال ہونے والی کرنسی میں



ہوتا ہے۔ اس کا نشان ¥ ہے۔ شروع میں ین ایک سونے کا سکہ تھا جس کا وزن 1.5 گرام سونے کے برابر تھا۔ بعد ازاں سونے کی جگہ چاندی نے لے لی۔ ین کا مطلب ہے ”گول شے“ (Round Object)۔ ین کو 10 مئی 1871ء میں Mei Ji حکومت نے سرکاری حیثیت دی۔ آج 1 سے لے کر 500 ین تک مالیت کے سکے اور 1000 سے 10,000 ین مالیتی کرنسی زیر

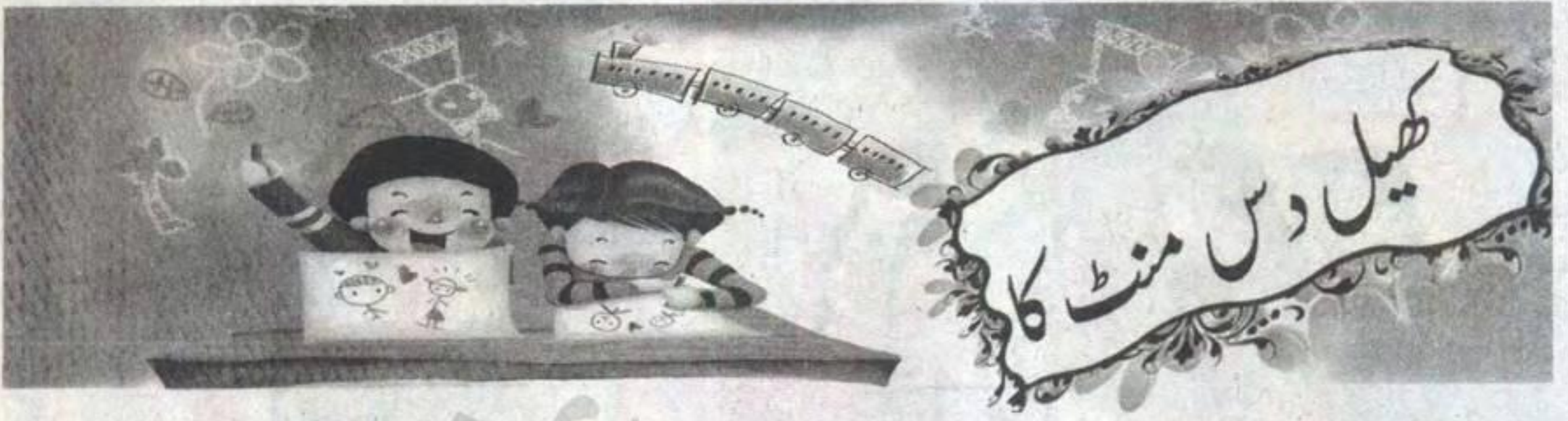
گردش ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اس کرنسی کی مالیت خاصی گر گئی تھی۔ سکے اور کرنسی نوٹ مختلف سائز میں ہیں جنہیں جاپان منٹ اور نیشنل پرنٹنگ بیورو شائع کرتا ہے۔ ماضی میں چین اور ہانگ کانگ کا بھی اس کرنسی پر کنٹرول رہا ہے۔ 1870ء کی دہائی میں جب چاندی کا ایک ین ہوا کرتا تھا تو یہ 24.26 گرام خالص چاندی کے وزن میں تھا۔ سب سے چھوٹے سکے کا پر کا Rin کہلاتا ہے جس سے بڑا سکہ Sen کہلاتا ہے۔ یہ سکے 1873ء میں متعارف کروائے گئے تھے۔ ایک ین کا سکہ 20 ملی میٹر سائز اور ایک گرام وزن کا ہوتا ہے۔ ین کا نوٹ 1872ء سے شروع کیا گیا ہے۔

گولڈن گیٹ برج

سان فرانسسکو (امریکا) کا معلق پل، یہ دوستونوں پر ایستادہ ہے۔ اس کی تعمیر کا کام 1300 محنت کشوں کے ہاتھوں پایہ تکمیل



کو پہنچا۔ پل کے تختے کی لمبائی 1280 میٹر یا 4200 فٹ ہے۔ اپنی تکمیل کے وقت یہ دنیا کا سب سے لمبا معلق پل تھا لیکن بعد ازاں دوسرے پلوں نے اس کی جگہ لے لی۔ اس کی تعمیر کا کام 1933ء میں شروع ہوا اور اس کا افتتاح 27 مارچ 1937ء کو ہوا۔ پل کی تعمیر پر 370,000 لاکھ ڈالر لاگت آئی۔ تعمیر کے دوران دس کارکن ہلاک ہوئے۔ یہ تکنیکی تعمیر کا ایک شاہکار ہے اور انجینئرنگ کی بے مثال مہارت کا نمونہ ہے۔



ب	د	ے	ا	ر	د	گ	ر	ب	ی
ن	ر	ظ	چ	ل	ط	ص	د	س	و
د	ر	ڑ	ی	م	ا	ج	ق	ک	ٹ
ی	ک	ٹ	ڑ	ن	پ	ی	پ	ل	ذ
س	ی	گ	م	ی	ن	ھ	ء	ا	ت
ل	ک	ے	ض	ظ	ا	ی	گ	د	خ
چ	ف	ء	ش	ی	ش	م	ق	ے	ت
ع	گ	ش	م	پ	ا	ٹ	ض	ف	ن
ی	ر	ے	ب	د	ڑ	ط	غ	س	و
ق	ن	ا	و	گ	ا	س	ا	ح	م

آپ نے حروف ملا کر درختوں کے دس نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ناموں کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن ناموں کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں۔

شیشم، کیکر، بیری، برگد، پیپل، سفیداء، چیر، ساگوان، دیار، نیم

زبیدہ سلطانہ

مضبطل کہانی

ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا

یہ بھونڈا تھرکنا؟“ لڑکی بھی چالاک تھی، فوراً بولی:

”لو ماں جی! میں تو اچھا بھلا ناچوں ہوں! ویسے ہم لوگ ناچتے ہی کھلے میدانوں میں ہیں، پر ان لوگوں کا آنگن ٹیڑھا تھا، وہاں مجھ سے ٹھیک سے پیر نہ اٹھا!“

دلہن کی نند نے زور سے قہقہہ لگایا اور بولی: ”لو یہ بھی اچھی رہی یعنی خود کو ناچنا نہیں آتا اور آنگن کو ٹیڑھا کہہ رہی ہے.....“

جب کسی سے کوئی کام درست طریقے سے نہ ہو اور وہ کوئی عذر یا بہانہ کسی اور پر رکھے تو جھٹ یہی فقرہ زبان پر آ جاتا ہے کہ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔

نھو ایک خانہ بدوش قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے ماں باپ دوسرے خانہ بدوش قبیلے سے اس کی دلہن بیاہ کر لائے تھے۔ ان کا دستور تھا کہ وہ دلہن کے بدلے جتنا پیسہ اس کے ماں باپ کو ادا کرتے، دلہن کو اتنا پیسہ کما کر سسرال والوں کو واپس کرنا ہوتا۔ نھو کی دلہن کامنی کو سسرال آئے دس بارہ دن ہو گئے تو ساس نے اس سے کہا:

”بس ری چھوری! دلہنپا ہو چکا، آج سے میرے ساتھ دھندے پر چلا کر۔“

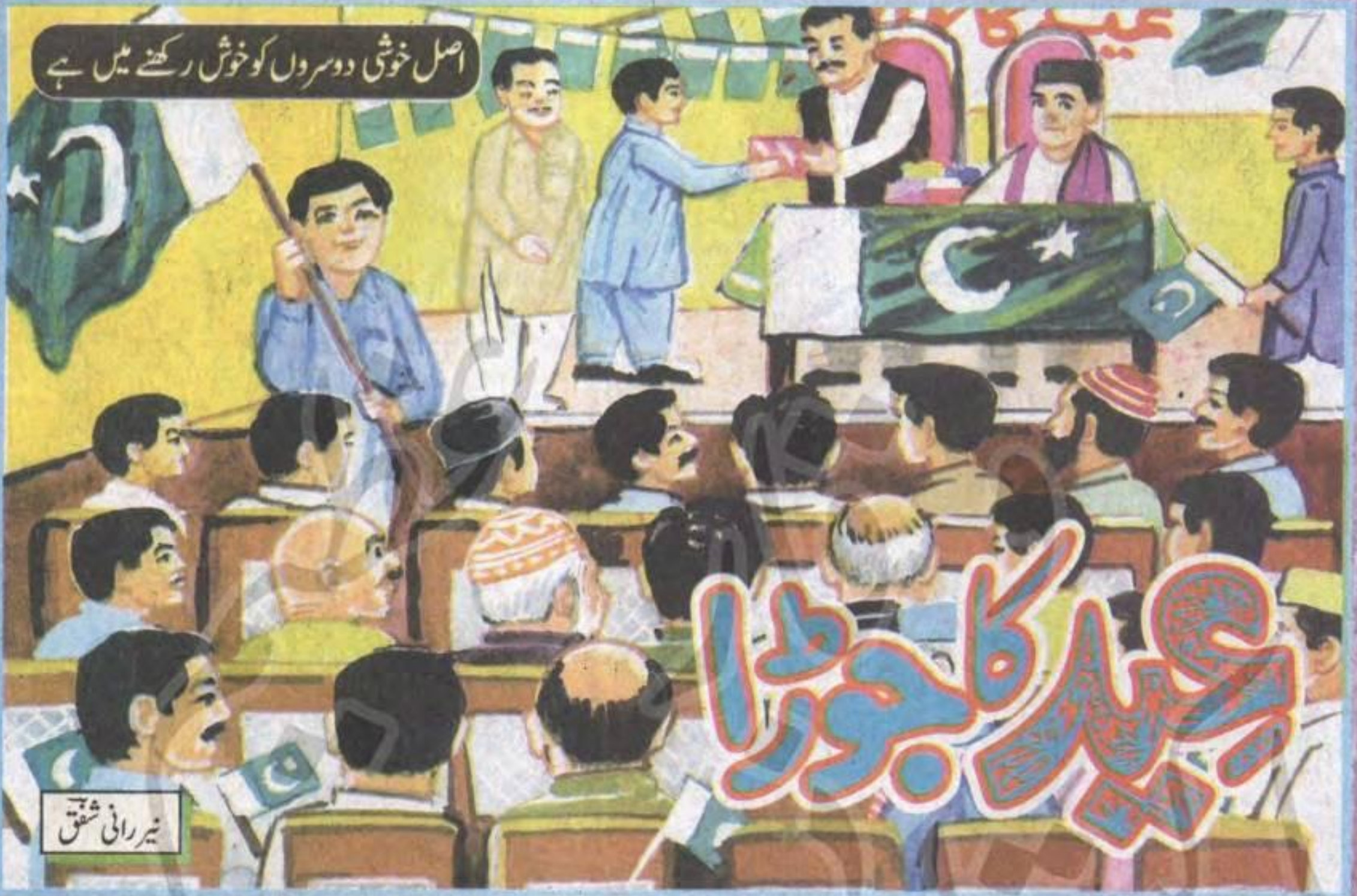
حکم کی دیر تھی کہ دلہن تیار ہو گئی اور چھما چھم کرتی ساس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ ان لوگوں کا پیشہ تھا کہ گلی محلوں میں پھر کے اور ناچ گا کر بھیک مانگتے تھے۔ یہ دونوں جب قریب کی آبادی کے ایک محلے میں پہنچیں تو ساس نے ڈفلی کی تھاپ پر زور سے ہانک لگائی۔ دف اور گھنگھروں کی آواز سن کر بچے جمع ہو گئے۔ عورتیں دروازوں پر آ کر جھانکنے لگیں۔ نئی نویلی دلہن کو لال رنگ کے گھاگرے اور چولی پر شیشوں کی کڑھائی والا چم چم کرتا دوپٹہ اوڑھے دیکھ کر ایک گھر کی عورتوں نے اندر بلا لیا کہ اس کا ناچ دیکھیں گی۔

کامنی کی ساس نے دف بجانی شروع کی اور دف کی تھاپ پر کامنی ناچنے لگی، مگر ساس کو اس کا ناچ پسند نہ آیا۔ اس نے گاہوں کے سامنے تو اسے نہ ٹوکا مگر گھر آ کر اس کے پیچھے پڑ گئی.....

”اری اے چھوری! تجھے تو ناچنا ہی نہیں آتا، کون دیکھے گا تیرا



اصل خوشی دوسروں کو خوش رکھنے میں ہے



نیر رانی شفق

میں کوئی نیا لباس خرید سکتی۔ بس اسی وجہ سے میں تقریب میں شامل نہیں ہوئی۔“

یہ سن کر وہ سب سناٹے میں آ گئیں۔ ماہرہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور دل ہی دل میں وہ سخت ندامت محسوس کرنے لگی کہ یہ شرط خود ماہرہ نے اپنی پوری ٹیم کو نہ صرف پیش کی بلکہ اس تجویز پر سختی سے عمل کرنے پر مجبور بھی کیا۔

ہر سال کی طرح اس سال بھی ”خوش رنگ کالونی“ کے تمام باسی جشن آزادی دھوم دھام سے منانے کے لیے حسب استطاعت بچوں کی ٹیم کے پاس چندہ جمع کر رہے تھے۔ ماہرہ، وردہ، کنزی، فاطمہ، عیثا، جنت، ربیعہ، دلآویز، نور اور ان کے بھائی کلیم، فرحان، علی، عبداللہ، شاداب اور عرفان نواز سمیت سبھی بچے نہ صرف رمضان المبارک کی عبادات (نماز، روزہ اور تراویح وغیرہ) میں مصروف تھے بلکہ ساتھ ساتھ ماہ اگست کا آغاز ہوتے ہی 14 اگست کی تقریب کی تیاریوں میں بھی مصروف تھے۔ جب پیسہ اکٹھا ہو جاتا تو حسب روایت محلہ کے بزرگ دادا حاجی خان کے پاس تمام رقم بطور امانت رکھوا دی جاتی۔ بعد ازاں مشاورت سے محلہ کی آرائش اور تقریب کے تمام پروگراموں کے انعقاد کو عملی صورت دینے کے لیے ڈیوٹیاں بانٹ لی جاتیں۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے 13 اگست کی شام تک پورے محلہ کو

”ہم نے تو دو سال سے عید پر نئے کپڑے تک نہیں پہنے۔ میں بھلا جھنڈیوں اور 14 اگست کی تقریب کے لیے تمہیں پیسے کیسے دے سکتی ہوں۔“ صبا کے چہرے پر شرمندگی اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

ماہرہ، وردہ، عیثا، جنت، دلآویز، کنزی اور فاطمہ صبا کی باتیں سن کر دکھ کے باعث گنگ سی کھڑی رہ گئیں۔ وہ جو ہر سال کی طرح اس سال بھی اپنے محلے میں جشن آزادی کی تقریب منعقد کرنے کے لیے اپنی سہیلیوں سے چندہ اکٹھا کر رہی تھیں، انہیں کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ انتہائی خاموش رہنے والی ان کی سہیلی صبا اور ان کا خاندان کس آزمائش سے گزر رہا ہے۔

ماہرہ نے صبا کا ہاتھ محبت سے تھامتے ہوئے کہا۔ ”نہیں نہیں، صبا! تم اداس مت ہو۔ پیسوں کو چھوڑو لیکن 14 اگست کی صبح جو تقریب ہوگی، تم اس میں شرکت ضرور کرنا۔“

”ہاں صبا! گذشتہ برس بھی تم نے جشن آزادی کی تقریب میں شرکت نہیں کی تھی۔“ وردہ کو اچانک یاد آ گیا۔ صبا نے شرمندگی سے سر جھکا کر آہستہ سے جواب دیا۔

”وہ..... دراصل آپ لوگوں نے شرط عائد کی تھی کہ سبز قومی پرچم کے رنگ کا لباس پہن کر ہی تقریب میں شرکت کی جاسکتی ہے اور میرے والدین کے پاس اس وقت اتنے پیسے نہیں تھے کہ

نہیں کی۔“

”لیکن امی! اب اس کا مداوا کس طرح ہوگا؟“

مارہ کی امی مسکرا دیں۔ ”اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ برقی قتموں اور جھنڈیوں پر اسراف کرنے کے بجائے مقابلہ میں جہاں پوزیشن لینے والے بچوں کے لیے انعامات لیں گی، وہاں آپ صبا جیسی بہادر بچی کے لیے بھی خصوصی انعام رکھ لیں کہ وہ اپنے حالات کا صبر سے مقابلہ کر رہی ہے۔“ مارہ اپنی امی کی بات درمیان میں کاٹ کر حیرت سے بولی۔ ”تو کیا ہم اس مرتبہ اپنے محلے کو نہ سچائیں؟“

”جی بیٹا! چوک میں سب سے اونچی اور مناسب جگہ پر میں لڑکوں کو کہہ کر پاکستانی پرچم نصب کروادوں گی۔ صرف چوک میں چند ایک جھنڈیوں کی لڑیاں لگوائیں۔ برقی قتموں کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ بجلی کا بحران ہماری قوم کو اس اسراف کی اجازت نہیں دیتا۔ جو پیسہ ہم بے جا تزیین و آرائش پہ خرچ کریں گے وہ غریب بچوں کے کام آجائے گا۔“ مارہ نے ہولے سے اثبات میں گردن ہلا دی۔

”اور دوسری سب سے اہم بات۔“ مارہ کی امی ایک مرتبہ پھر پُر خیال انداز میں اس سے مخاطب ہوئیں۔ ”1947ء میں 27 رمضان المبارک کو پاکستان بننے کا اعلان ہوا تھا مگر بے سروسامانی اور اپنے پیاروں کی شہادتوں کے باعث ہمارے لوگ اور بچے عید نہ منا سکیں، اس کا گناہ ہم سب پہ ہوگا۔“

”امی! پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“ مارہ بے چینی سے بولی۔ ”میری چندا! گذشتہ برس کی طرح اس سال بھی ہم عید گفٹس بنا کر غریب گھروں میں بھیجیں گے مگر اس مرتبہ صبا کی مدد کے خیال سے ایک آئیڈیا میرے ذہن میں آیا ہے۔“

”وہ کیا امی؟“ ”وہ یہ میری جان! کہ ہم پورے محلہ میں اعلان کریں گے کہ اس رمضان المبارک میں جو بچہ 29 رمضان تک پورا قرآن پاک ختم کرے گا تو اسے خصوصی انعام دیا جائے گا۔“ ”مگر امی اس طرح تو بہت سے بچے قرآن پاک پڑھ کر سامنے آجائیں گے۔“ وہ مسکرا کر بولیں۔ ”یہ تو اور اچھی بات ہے، اس طرح بچوں میں قرآن پاک پڑھنے کا شوق پیدا ہوگا۔ نیکی اور انعام بچوں کے حصے میں اور ہمارے حصے میں نیکیاں ہی نیکیاں آئیں گی۔“ ”مگر صبا.....؟“ مارہ پھر گویا ہوئی تو اس مرتبہ اس کی امی نے بات درمیان سے اچک لی۔ ”صبا کو ہم خصوصی انعام دیں

جھنڈیوں، برقی قتموں اور پاکستانی پرچم سے سجادیا جاتا۔ دیواروں کی منڈیروں پر دیئے اور مومی شمعیں روشن کی جاتیں اور یہ سجاوٹ 14 اگست کی رات تک رہتی جبکہ 14 اگست کی صبح کو مارہ کے گھر کے وسیع سبزہ زار میں سٹیج بنا کر باقاعدہ پرچم کشائی کی جاتی اور قومی ترانے کے بعد تقریب کا آغاز ہوتا جس میں مقررین اور ملی نغموں میں حصہ لینے والے بچوں کو انعامات دیے جاتے اور تقریب کے شرکا میں مٹھائی اور بوتلیں پیش کی جاتیں۔

یہ تقریب برس ہا برس سے اسی طرح اس محلہ کے لوگ منعقد کرتے آرہے تھے۔ اب ان کی تیسری نسل اسی جوش و جذبہ اور عقیدت و احترام سے اس کام کو سرانجام دے رہی تھی۔

خوش رنگ کالونی کی اس تزیین و آرائش اور تقریب کا چرچا پورے شہر میں تھا۔ لوگ دُور دُور سے اسے دیکھنے اور تقریب میں شامل ہونے کے لیے آتے تھے۔

گذشتہ برس کسی ٹی وی چینل کی تقریب میں پرچم کے رنگ میں ملبوس بچوں کو پروگرام کرتا دیکھ کر مارہ نے یہ سوچے بغیر کہ اس تجویز سے نہ جانے کتنے بچوں اور والدین پر اضافی اخراجات کا بوجھ پڑ جائے گا، اس نے اپنی تقریب کو چار چاند لگانے کے چکر میں یہ شوشہ چھوڑا تھا۔

آج وہ صبا سے مل کر سخت پچھتاوے کا شکار تھی۔ وہ جب گھر آئی تو بہت دل گرفتہ اور اداس تھی۔ اسے خاموش دیکھ کر اس کی امی نے استفسار کیا۔ ”مارہ! کیا بات ہے؟ بیٹا! آپ اس قدر اداس کیوں ہیں؟“ مارہ کی آنکھوں سے آنسو شفاف موتیوں کی طرح لڑھک کر اس کے گالوں پہ بہنے لگے تو اس کی امی بے چین ہو گئیں۔ ”بیٹا! کچھ تو بولو، کیا بات ہے؟“

مارہ نے آنسو پونچھ کر صبا کے سارے حالات بتائے کہ اس کے والد گذشتہ دو برس سے شدید علیل ہیں جس کے باعث وہ انتہائی کمپرسی کے عالم میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور یہ بتاتے ہوئے تو وہ مزید پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی کہ میری ناجائز شرط کے باعث صبا گذشتہ برس یوم آزادی کی تقریب میں شریک نہ ہو سکی۔

مارہ کی امی تفکر آمیز لہجے میں بولیں۔ ”بیٹا! میں افطاری اور سحر کے اوقات میں کچھ نہ کچھ ان کے گھر بھجواتی رہتی ہوں مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ان کے حالات اس قدر خراب ہیں اور اس میں ہماری بھی کوتاہی ہے کہ ہم نے ان کے حالات جاننے کی کوشش

گے اور یہ سارے انعامات محلہ والوں کے چندے سے نہیں بلکہ میری جیب سے جائیں گے۔“ ”جیب سے نہیں امی، آپ کے پرس سے۔“ اس مرتبہ دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

29 رمضان المبارک کو جب مارہ اور اس کے گھر والوں کی طرف سے مکمل قرآن پاک پڑھنے پر دیگر بچوں کو انعامات دیے گئے تو ساتھ ہی صبا کے لیے خصوصی انعام ملنے پر وہ اور اس کے گھر والے بے حد خوش تھے۔ گھی، چینی، سویاں، میوہ جات، عید کارڈ، سبز رنگ کا شان دار ریڈی میڈ لشکارے مارتا جوڑا، چوڑیاں، مہندی اور دس ہزار روپے نقد، یہ سب دیکھ کر صبا کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔ ”اوہ! میری تو عید ہی سچ گئی اور ان پیسوں سے ابو کا علاج آسانی سے ہو سکتا ہے۔“ چند دن کے بعد 14 اگست کو تقریب کی نظامت کرتے ہوئے مارہ نے کہا۔ ”ساتھیو! آج کی تقریب کا مقصد جہاں اپنے اسلاف کی قربانیوں کو یاد کرتے ہوئے انہیں خراج تحسین پیش کرنا ہے، وہاں ہمیں اس پیغام کو بھی عام کرنا ہے کہ عیدیں ہوں یا شادی کی تقاریب یا جشن آزادی ہمیں اپنی اسلامی روایات سادگی، خلوص، دیانتداری اور سچائی کو نہیں بھولنا چاہیے۔ ہمیں ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے

ایک دوسرے کے کام آنا چاہیے۔

نہ صرف رمضان اور عید ہمیں اخلاقیات، رواداری کی تعلیم دیتا ہے بلکہ پاکستان کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو پاکستان بنانے کا مقصد بھی اسلامی طرز حیات کو اپنانا تھا۔

مارہ نے کہا۔ ”ساتھیو! ایک خاص پیغام میں تمام پاکستانیوں کو مزید دینا چاہوں گی کہ تقریب کے اگلے دن پاکستانی پرچم اور جھنڈیوں کو احترام سے اتار کر رکھ لینا چاہیے ورنہ ان کی بے حرمتی ہوتی ہے اور جشن آزادی منانے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔“ بعد ازاں مختلف مقررین نے اپنی اپنی تقاریر پیش کیں۔ خوش گلو بچوں نے ملی نغمے سنا کر خوب داد وصول کی۔

مصنفین کے فیصلے کے مطابق انعام پانے والے بچوں کو قیمتی انعامات سے نوازا گیا جب کہ صبا کو خصوصی انعام سے نوازا گیا۔

صبا اپنے عید کے سبز جوڑے میں ملبوس احساس تشکر سے سرشار سوچ رہی تھی کہ یہی تو اپنا پن ہے جس کے باعث نہ صرف میری عید بلکہ آج کی تقریب کا لطف بھی دو بالا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ میرے وطن میں ایسی حسین ہزاروں عیدیں اور تقاریب کا انعقاد کراتا رہے اور میرے وطن کے دروہام یونہی سجتے رہیں۔ آمین!

چمکا ڈالو

چمکا ڈال پرندہ بھی ہے اور دودھ پلانے والا جانور (میمل) بھی۔ دوسرے تمام پرندے انڈے دیتے اور اپنے بچوں کو چمکا دیتے ہیں۔ چمکا ڈال گائے بھینس، بھیڑ بکری وغیرہ کی طرح بچے دیتی ہے اور انہیں دودھ پلاتی ہے۔ دنیا میں اس کی تقریباً ایک ہزار قسمیں پائی جاتی ہیں۔ چمکا ڈال دن میں تاریک غاروں، کھوکھلے درختوں اور ویران عمارتوں میں آرام کرتی ہیں یا درختوں کی شاخوں پر الٹی لٹک جاتی ہیں۔ آرام کے وقت بچوں اور زبان سے اپنا جسم صاف کرتی ہیں۔ شام کو اندھیرا ہوتے ہی خوراک کی تلاش میں نکلتی ہیں۔ مادہ چمکا ڈال سال میں ایک بچہ دیتی ہے اور اسے اپنا دودھ پلاتی ہے۔ بچہ جب تک اڑنے کے قابل نہیں ہو جاتا، ماں کے جسم سے چمٹا رہتا ہے۔ چمکا ڈال کے بازوؤں پر، انگلیوں ٹانگوں اور دم کے درمیان پتلی لچک دار جھلی منڈھی ہوتی ہے۔ پاؤں میں تیز نوکیلے مڑے ہوئے پنچے ہوتے ہیں۔ ان پنچوں سے وہ چیزوں کو پکڑتی ہے۔

چمکا ڈالیں اڑتے وقت بہت تیز اور باریک آواز نکالتی ہیں۔ یہ آواز یا چیخ سامنے کسی چیز سے ٹکرا کر واپس آتی ہے تو انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ آگے کوئی رکاوٹ ہے۔ اس طرح وہ اندھیرے میں کسی چیز سے ٹکراتی نہیں۔ بعض چمکا ڈالیں سردی کا پورا موسم سو کر گزارتی ہیں۔ سردی شروع ہوتے ہی کسی گرم جگہ الٹی لٹک جاتی ہے اور اپنے بازوؤں کو جسم کے گرد لپیٹ لیتی ہیں۔



آئیے عہد کریں

ضیاء کو جب آج اسکول سے چھٹی ہوئی تو اس نے دیکھا کہ اس کے ابو جان اسے اسکول سے لینے کے لیے گیٹ پر کھڑے ہیں۔ وہ ابو جان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا، انہیں سلام کیا اور ان کی انگلی پکڑ کر اسکول کے فٹ پاتھ پر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ ضیاء نے دیکھا کہ اسکول سے چھٹی کے وقت بچوں کا ایک جم غفیر نکلا اور بچے دانستہ اور غیر دانستہ طور پر فٹ پاتھ کو چھوڑ کر سڑک کے کنارے پر چل رہے ہیں جس سے ٹریفک کی روانی میں رکاوٹ پیش آرہی ہے۔ ضیاء نے اپنے ابو جان سے اس خرابی کی نشان دہی کی۔ اس کے ابو جان نے اسے بتایا کہ بیٹے ہمیں ایسی غلطیوں سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہیے جس سے اصولوں کی خلاف ورزی ہو اور عوام الناس کے لیے تکلیف کا باعث ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے قائد اعظم محمد علی جناح نے ہمیں ایمان، تنظیم اور اتحاد کا درس دیا ہے۔ ہمیں ان اصولوں پر چل کر ہی اپنی راہ متعین کرنی چاہیے۔ پیدل چلنے والوں کو ہمیشہ فٹ پاتھ پر چلنا چاہیے، نہ کہ فٹ پاتھ چھوڑ کر سڑک کے کنارے یا سڑک کے درمیان آ کر دوسروں کے لیے مشکلات، پریشانی یا کسی حادثے کا باعث بنیں۔

پیارے بچو! آپ اس بات کا عہد کریں کہ آپ ہمیشہ پیدل چلنے کی صورت میں فٹ پاتھ کا راستہ اپنائیں گے۔ جو بچے یہ عہد کریں گے ان کے نام آئندہ شمارے میں شائع کیے جائیں گے۔



شاباش

ان بچوں نے پچھلے شمارے میں عہد کیا ہے کہ وہ اپنے قومی پرچم کی بے حرمتی نہیں کریں گے اور دل و جان سے اس کا احترام کریں گے۔

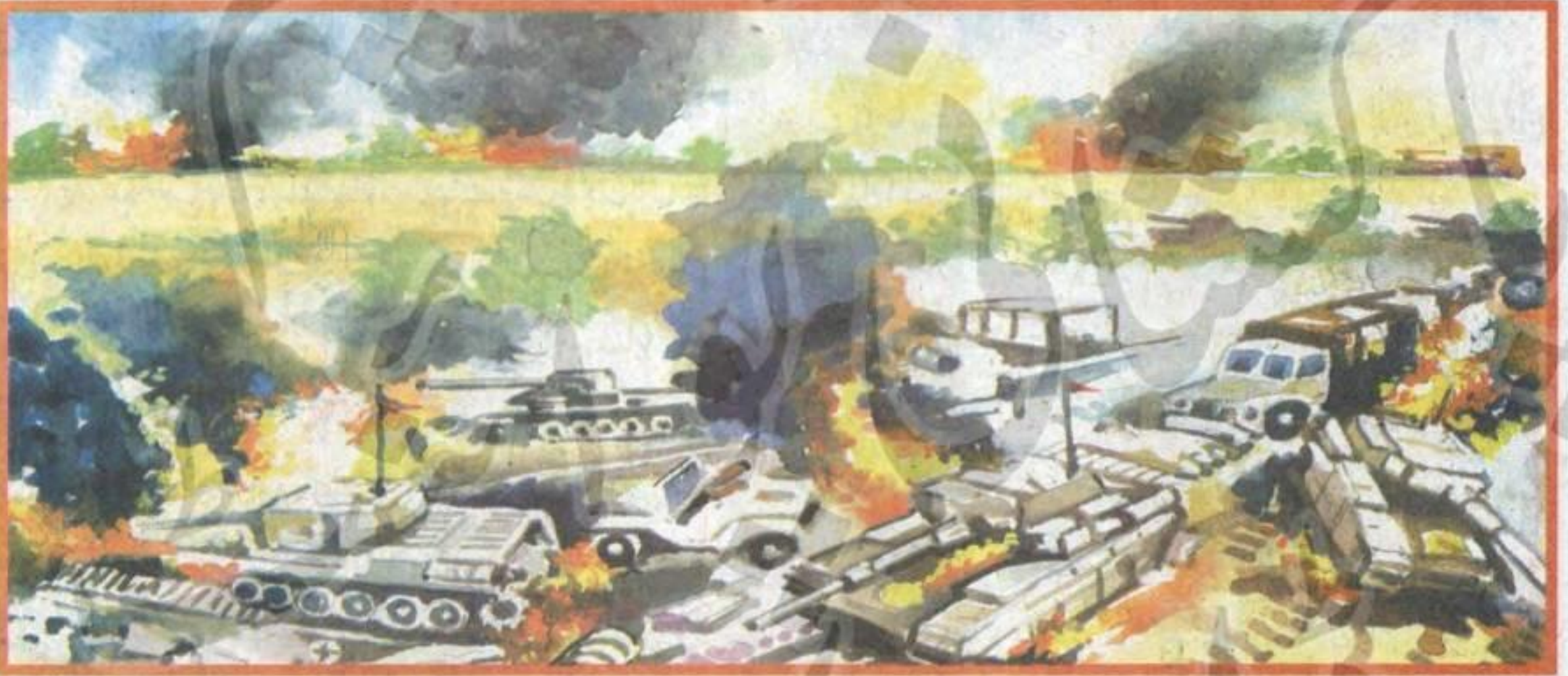
امان احمد، فیصل آباد۔ ثمرہ طارق بٹ، گوجرانوالہ۔ مہلب شہباز، گوجرانوالہ۔ شیزہ جاوید، گوجرانوالہ۔ بلال عباس، لاہور۔ فائقہ نوید ملک، لاہور۔ عبداللہ ہاشم، لاہور۔ اشمل افضل، لاہور۔ محمد انس، سرگودھا۔ رانا شہروز، فیصل آباد۔ انیس الرحمن، گوجرانوالہ کینٹ۔ محمد عبداللہ سلطان، سرگودھا۔ مابین الماس، فیصل آباد۔ نازیہ رخسانہ، مردان۔ محمد ارسل نصیر، فیصل آباد۔ طلحہ سمیر، وہاڑی۔ انسہ زاہد، گوجرانوالہ۔ ابرار الحق، واصف، قصور۔ حسنہ خانم، گوجرانوالہ۔ حذیفہ مرتضیٰ، ایبٹ آباد۔ محمد احمد خان غوری، بہاول پور۔ اسد علی انصاری، ملتان۔ سعد انصاری، حیدرآباد۔ ثمن فاطمہ، بھٹوال۔ مدنی عابد، ملتان۔ مصباح علی، کوٹری۔ محمد حمزہ سعید، بورے والا۔ عائشہ ندیم، مردان۔ آمنہ کامران، سرگودھا۔ محمد اسید، اٹک۔ علی فیاض، اسلام آباد۔ محمد حماد نصیر، لیاقت پور۔ محمد زبیر، خانقاہ ڈوگراں۔ احمد عبداللہ، میاں والی۔ حاجرہ فیاض مرزا، گوجرانوالہ۔ سعد سہیل، جہلم۔ ایمیل سہیل جوئیس، ایبٹ آباد۔ اورنگ زیب، جھنگ صدر۔ فرزانہ زاہد، راول پنڈی۔ عبداللہ ہارون، پشاور۔ بشریٰ انصاری، جہلم۔

کھوج لگایے!

ذہانت آزمائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔



پاکستانی مجاہد، 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں دشمن کا بڑی بہادری و جرأت سے مقابلہ کر کے جام شہادت نوش کیا۔ شہید نے دشمن کی ٹڈی دل فوج کا زبردست مقابلہ کیا۔ ان کی اعلیٰ خدمات کی بناء پر مرحوم کو ”نشان حیدر“ جیسے بلند اعزاز کا مستحق قرار دیا گیا۔ آپ لادیاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ 1950ء میں ملٹری اکیڈمی کاکول سے کمیشن لیا جہاں انہیں سینئر انڈر آفیسر کا نمایاں اعزاز ملا۔ پانسنگ آؤٹ پریڈ کی سلامی وزیراعظم لیاقت علی خاں مرحوم نے لی اور اپنے ہاتھ سے فارمن گولڈ میڈل اور اعزازی شمشیر دی۔ مرحوم اعلیٰ فوجی تربیت کے لیے امریکا اور جرمنی بھی گئے۔



بھارت نے ستمبر 1965ء کو جب لاہور پر حملہ کیا تو برکی سیکٹر میں ایک کمپنی کی کمان ان کے سپرد ہوئی۔ دشمن نے ایک ڈویژن فوج، توپ خانہ اور ٹینکوں سے حملہ کیا۔ آپ اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے جوانوں سے آگے آگے رہے۔ 10، 11 ستمبر کو دشمن کی ایک بٹالین نے ان کے مورچے پر حملہ کر دیا۔ 12 ستمبر کو جب دشمن کے ٹینک اور فوج ان کی کمپنی پر حملہ کر رہے تھے تو آپ خود ٹینکوں سے گولے برسا رہے تھے۔ اچانک دشمن کا ایک گولہ ان کے دائیں کندھے پر آ کر گرا اور پاکستان کا یہ مایہ ناز سپوت شہید ہو گیا۔ آپ کی تدفین آبائی گاؤں لادیاں ضلع گجرات میں ہوئی۔ پیارے بچو! آپ کھوج لگا کر بتائیں کہ پاکستان کے اس مایہ ناز عظیم سپوت کا نام کیا ہے؟

اگست 2013ء میں شائع ہونے والے ”کھوج لگائیے“ کا صحیح جواب یہ ہے: ہار میں ہیروں کی کل تعداد 301 تھی۔ اگست 2013ء کے کھوج لگائیے میں قرعہ اندازی کے ذریعے درج ذیل بچے انعام کے حق دار قرار پائے ہیں:

- 1- مہلب شہباز، گوجرانوالہ
- 2- اشمل افضل، لاہور
- 3- شیزہ جاوید، گوجرانوالہ
- 4- محمد عبداللہ ہاشم، لاہور
- 5- کرن طارق، سیال کوٹ



- قرآن پاک میں کل 558 رکوع ہیں۔
- قرآن پاک کی پہلی منزل سورۃ فاتحہ سے سورۃ نساء تک ہے۔
- سورۃ قریش میں کل 4 آیات ہیں۔
- قرآن کی ایک سورۃ یورپ کے مشہور شہر روم کے نام پر ہے۔
- قرآن پاک کے پہلے انگریزی مترجم مولوی محمد علی تھے۔
- قرآن پاک کی بہ اعتبار نزول آخری سورۃ توبہ ہے۔
- قرآن پاک میں لفظ ”ق“ وقف جائز کی علامت ہے۔
- قرآن پاک میں کل 21 علامت استعمال ہوئی ہیں۔
- نبیؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا اصل نام عامر تھا۔
- نبیؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔
- جنگ فجار قبیلہ قریش نے قبیلہ بنو قیس کے خلاف لڑی تھی۔
- نبیؐ نے اپنی حیات مبارکہ میں صرف ایک دفعہ فریضہ حج ادا فرمایا۔
- نبیؐ پر چالیس برس کی عمر میں پہلی وحی نازل ہوئی۔
- نبیؐ 18 دن تک بیمار رہے۔ (نبیل حسن، لاہور)
- مسلمانوں نے 9 ہجری میں پہلا فریضہ حج ادا کیا۔
- مشہور کتاب ”رحمت عالم“ سید سلیمان ندوی نے لکھی۔
- حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد کا نام حضرت زکریا تھا۔
- حضرت موسیٰؑ کی زوجہ کا نام حضرت صفورہ ہے۔
- حضرت آدمؑ نے 1000 برس کی عمر پائی۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت اللحم میں پیدا ہوئے۔
- حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے شہر اناس میں پیدا ہوئے۔
- قوم بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر کا نام حضرت عیسیٰؑ ہے۔
- حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سب سے پہلے صحابی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ (عائشہ وحید، ملتان)
- غزوہ اُحد میں حضرت حمزہؓ کو کافرو حشی بن حرب نے شہید کیا۔
- دین اسلام کے پہلے نابینا مؤذن عبداللہ بن مکتوم تھے۔
- حضرت حمزہؓ کا کفن صحابیہ حضرت صفیہؓ کی چادر سے تیار کیا گیا تھا۔
- پیدائش کے وقت نوخیز شیر خوار بچوں کی آنکھ کا رنگ نیلا ہوتا ہے۔
- انسانی دل ایک منٹ میں 72 مرتبہ دھڑکتا ہے۔
- انسانی جسم میں ہڈیوں کی تعداد 206 ہے۔
- ران کی ہڈی انسانی جسم کی سب سے بڑی ہڈی ہوتی ہے۔
- انسانی دل کی لمبائی 6 انچ ہوتی ہے۔
- انسانی بافتوں کو ہر روز آدھا گیلن پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔
- انسان ایک منٹ میں 410 مکعب انچ ہوا پھیپھڑوں میں لے جا کر باہر نکال سکتا ہے۔
- سینٹی گریڈ تھرمامیٹر میں انسان کا درجہ حرارت 36 سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ (کائنات صادق، راول پنڈی)
- خلاء میں جانے والے پہلے انسان کا نام گیرگاریں تھا۔
- خلاء میں جانے والی پہلی خاتون کا نام تریش خوفا تھا۔
- زمین سے 350 میل اوپر تک ہوا ہے۔
- سطح سمندر پر ہیرومیٹر میں پارہ کی اونچائی 30 انچ ہے۔
- ہوا کے اندر آرگان گیس کی مقدار 0.93 فیصد ہے۔
- سوڈیم بائی کاربونیٹ (NaHCO₃) کو عام زندگی میں میٹھا سوڈا کہا جاتا ہے۔
- قدرتی گیس کا سب سے بڑا جز میتھین ہے۔
- بنا سستی گھی بنانے میں ہائیڈروجن گیس استعمال ہوتی ہے۔
- دُنیا کی سب سے بڑی جھیل بایکال کا رقبہ 31500 کلومیٹر ہے۔ (لیاقت عمر، جہلم)
- وکٹوریہ آبشار کی بلندی 355 فٹ ہے۔
- سیاچن گلشیر کی لمبائی 75 کلومیٹر ہے۔
- 29 ستمبر 1993ء کو انڈونیشیاء کے ایک جزیرے میں ہولناک زلزلے سے 30 ہزار افراد ہلاک ہوئے۔
- سیلون موجودہ دور کے ملک سری لنکا کا پرانا نام ہے۔
- دریائے نیل دُنیا کا سب سے بڑا دریا ہے۔
- پاکستان اور بھارت کے درمیان ریڈ کلف لائن 1947ء میں قائم کی گئی۔ (فرخ مشتاق، سیال کوٹ)

سانس کا اورٹر

جیٹ طیارہ آسمان پر لکیر کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

جیٹ طیارہ نظروں سے اوجھل ہو جائے تو وہ بعض اوقات آسمان پر سفید لکیریں چھوڑ جاتا ہے۔ یہ بخاراتی لکیریں ہوتی ہیں اور یہ اس وقت بنتی ہیں جب ہوائی جہاز ہوا میں صحیح رفتار سے اڑے اور ہوا میں نمی کی مناسب مقدار بھی موجود ہو۔

ہوا میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ نمی موجود ہوتی ہے لیکن پانی کے یہ ذرے اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ہمیں نظر نہیں آتے۔ جب بہت سے ذرے مل کر قطروں کی صورت اختیار کر لیں تو بادل بن جاتے



امریکہ کے گرم علاقوں، ہندوستان اور ایسٹ انڈیز میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی روشنی گہری سبز اور سرخ ہوتی ہے۔

ہم خراٹے کیوں لیتے ہیں؟

آپ جاگتے میں بھی خراٹے لے سکتے ہیں۔ ذرا منہ ڈھیلا چھوڑ دیں اور پھر منہ کھول کر زور سے سانس لیں۔ اس سے آپ کے حلق کا کوا اور جھلی تھر تھرائے گی۔ بالکل اسی طرح جس طرح کسی کھڑکی کا پردہ ہوا سے ہلتا ہے اور اس سے خرخر کی آواز نکلے گی، اسی کو خراٹے لینا کہتے ہیں۔

جب آپ سوتے ہیں تو آپ کا منہ اور حلق ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور گہری سانس لینے سے حلق کا کوا اور جھلی تھر تھرانے لگتی ہے۔ عام



ہیں۔ بخاراتی لکیریں بھی بادل ہی ہوتی ہیں جو ہوا کے ایک خاص بھنور میں جیٹ طیاروں کے پروں کے پیچھے بنتا ہے۔ یہ ہوائی بھنور پھیلتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ ایک دم ٹھنڈا ہو جانے سے نمی کے چھوٹے چھوٹے ذرات آپس میں چمٹ کر بادل بن جاتے ہیں اور ہمیں سفید لکیر کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔

جگنو کیوں چمکتے ہیں؟

جگنو اور دوسرے چمکنے والے کیڑے مکوڑے چھوٹے چھوٹے بھنورے ہوتے ہیں۔ یہ کیڑے مکوڑے گرم ممالک کے علاوہ امریکہ اور آسٹریلیا میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کیڑوں کے جسم میں دو قسم کا رس تیار ہوتا ہے اور ان کی دموں کے راستے باہر نکلتا ہے۔ جب یہ رس ہوا میں ملتے ہیں تو چمکنے لگتے ہیں۔ تیز اور زیادہ دیر تک رہنے والی روشنی ان جگنوؤں سے پیدا ہوتی ہے جو جنوبی



طور پر چت لیٹ کر سونے سے آدمی خراٹے لیتا ہے۔ اگر وہ کروٹ بدل لے یا جاگ جائے تو خراٹے بند ہو جاتے ہیں۔ عورتوں کے مقابلے میں مرد زیادہ خراٹے لیتے ہیں، معلوم نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

رانا محمد شاہد



فضائیہ کا شاہین

راشد منہاس شہید

انہوں نے سینئر کیمبرج کا امتحان دیا اور اس کے رزلٹ کا انتظار کیے بغیر ہی پاکستان ایئر فورس کے لیے ایلائی کر دیا۔ بچپن کا خواب حقیقت کے روپ میں ڈھل رہا تھا۔ قسمت ان پر مہربان تھی اور انہیں پاک فضائیہ میں بطور پائلٹ آفیسر شامل کر لیا گیا۔

راشد منہاس نے اپنی ڈائری میں یہ قول لکھ رکھا تھا کہ ”اگر کبھی ایسا وقت آیا کہ میرے وطن کو میری ضرورت پڑی تو میں دشمن سے اس وقت تک لڑوں گا جب تک مجھ میں ایک سانس بھی باقی ہے۔“ اسے ایک انگریز شاعر کی ایک نظم کا ایک بند بہت پسند تھا جس میں شاعر کہتا ہے کہ ”ہم ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتے..... ہمیں ایک نہ ایک دن مرنا ہے، تو پھر کیوں نہ ہم اپنے ملک پر جان قربان کر دیں۔“

وہ نہیں جانتا تھا کہ قدرت اسے جلد ہی یہ موقع دینے والی تھی۔ ابھی وہ تربیتی مراحل میں تھا۔ 20 اگست 1971ء کو راشد منہاس کو کنٹرول روم سے جیٹ طیارہ اڑانے کی کلیرنس ملی۔ یہ ان کی تیسری تنہا پرواز تھی۔ اچانک دن 11 بج کر 27 منٹ پر ان کا انسٹرکٹر کار میں سوار ہو کر آیا۔ کار سے اتر کر طیارے کے قریب آیا اور زبردستی طیارے کے اندر داخل ہو گیا۔ راشد کے لیے یہ بات حیران کن تھی۔ آج کی پرواز میں انسٹرکٹر کی شمولیت نہیں تھی..... پھر وہ اچانک کیوں سوار ہوئے۔ اس کیوں کا جواب بھی اسے جلد ہی مل گیا۔ مطیع الرحمن نامی اس بنگالی افسر نے فوراً ہی طیارے کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لیا اور کراچی میں اپنے دو ساتھیوں کو پیغام

اسے زندگی سے بہت محبت تھی مگر یہ محبت وطن کی محبت سے زیادہ اہم نہ تھی۔ چنانچہ بے حد چھوٹی عمر میں اس نے ایک فیصلہ کر لیا۔ وہ فیصلہ جو لمحوں کا محتاج تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ تاریخ کے فیصلے ہمیشہ لمحوں میں ہی ہوتے ہیں۔ قوموں کی زندگی میں لمحوں کی خطا صدیوں کی سزا کی صورت میں ملتی ہے اور اس نے اپنی قوم کو اس خطا اور سزا سے بچا لیا تھا۔ اس نے ایک فیصلہ کیا اور پھر لمحوں میں وہ شہادت کے بلند و بالا مرتبے پر فائز ہو کر ہمیشہ کے لیے امر ہو گیا۔ اس نوجوان کا نام راشد منہاس تھا۔ راشد منہاس شہید ہماری عظمت و رفعت اور شان و شوکت کے میناروں میں سے ایک بلند و بالا مینار تھا۔

17 فروری 1951ء بروز ہفتہ بمطابق 10 جمادی الاول 1370 ہجری کو راشد منہاس نے کراچی میں آنکھ کھولی۔ ابتدائی تعلیم کراچی سے ہی حاصل کی۔ والد کا تعلق آرمی سے تھا۔ چنانچہ راشد کو بھی آرمی، خصوصاً ایئر فورس بہت پسند تھی۔ بچپن ہی میں وہ اڑتے جہازوں کو بہت غور سے دیکھا کرتا۔ ان کی ذاتی ڈائری سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وہ بچپن ہی سے پائلٹ بننے کا شوق رکھتے تھے۔ اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ جہاں کہیں سے جہازوں کو گزرتے دیکھتے، انہیں دیکھتے اور پھر وہیں کھڑے رہ جاتے۔ ٹریننگ کے دوران تو صورت حال یہ تھی کہ جس جگہ جہازوں کو دیکھنے کے لیے کھڑے ہوتے، وہاں سے ہلانا مشکل ہو جاتا۔ 1968ء میں

حضرت علیؑ شیر خدا کی جرات و شجاعت

آپؑ کی جرات و شجاعت کا یہ عالم تھا کہ فوجوں کے ریلے آپؑ کے ثبات قدم میں لغزش پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ابن قتیبہ نے المعارف میں لکھا ہے کہ جس سے بھڑے، اسے پچھاڑے بغیر نہیں چھوڑا۔ آپؑ کی صفت و شجاعت کے بارے میں معروف عیسائی محقق جارج جرداق اپنی شہرہ آفاق تالیف THE VOICE OF HUMAN JUSTICE میں لکھتا ہے: ”جب جنگ کے لیے بڑھتے تو تیز چلتے تھے اور کسی دوسری چیز کی طرف مڑ کر نہیں دیکھتے تھے، جسم کی طاقت اتنی کہ عقل اسے سمجھنے سے قاصر تھی، اکثر سواروں کو جو آپؑ کے چنگل میں آ جاتے تھے بغیر کسی زحمت و تکلیف کے ایک خرد سال بچے کی طرح ہاتھ سے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیتے اور اگر کبھی کسی پہلوان کا بازو ہاتھ سے پکڑ لیتے تھے تو وہ سانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔ مشہور ہے کہ آپؑ نے کسی شہ سوار سے مقابلہ نہیں کیا مگر یہ کہ اسے زیر کر دیا، چاہے وہ جس قدر قوی ہیکل اور شجاعت میں شہرہ آفاق رہا ہو۔ کبھی بہت بڑے دروازے کو جس کے کھولنے اور ہلانے سے کئی پہلوان بھی عاجز تھے، اٹھا لیتے تھے اور اسے سپر کی طرح ہاتھ میں لے کر اس سے اپنی حفاظت کرتے تھے۔ کبھی ایک ہاتھ سے اتنا بڑا پتھر زمین سے اٹھا کر الگ پھینک دیتے تھے کہ بہت سے جواں مرد مل کر بھی اسے جنبش نہیں دے سکتے تھے۔ کبھی میدان جنگ میں ایسا نعرہ لگاتے کہ دلیر بہادروں کا پتہ بھی پانی ہو جاتا تھا، چاہے وہ تعداد میں کتنے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔“

ملک کے قیمتی رازوں کو دشمن کے ہاتھوں میں جانے سے روک دیا۔ راشد منہاس کی عظیم ماں کو جب بتایا گیا کہ راشد کے طیارے کو اغوا کر کے بھارت لے جانے کی کوشش کی جا رہی تھی، آپ کے بیٹے نے جان دے کر اس کوشش کو ناکام بنا دیا تو انہوں نے بڑے صبر و تحمل سے کہا۔ ”راشد نے ہمیں قوم کے آگے شرم سار ہونے سے بچا لیا۔“

راشد منہاس پاک فضائیہ کے پہلے آفیسر ہیں جنہیں ملک کی خاطر جان دینے پر نشانِ حیدر کا اعزاز دیا گیا۔ راشد کے طیارے کا کوڈ نمبر ”ٹی برڈ“ تھا۔

27 اگست 1971ء بروز اتوار بمطابق 7 رجب 1391 ہجری کو انہیں پاکستان کا سب سے اعلیٰ اعزاز نشانِ حیدر دیا گیا۔ راشد منہاس کا مزار کراچی سے شمال مشرق کی طرف دریائے سندھ کے مغربی کنارے سے 100 کلومیٹر کے فاصلے پر شہید ڈیرہ میں ہے، جہاں ان کا جہاز گرا تھا۔

دیا۔ ”میں جودھ پور جا رہا ہوں۔ تم میرے گھر والوں کو ساتھ لے کر فوراً ہندوستانی کمیشن چلے جاؤ اور وہاں پناہ لے لو۔“

ان چند جملوں نے راشد منہاس میں یہ ساری حقیقت کھول دی کہ انسٹرکٹر غداری کر رہا ہے اور طیارہ بھارتی علاقے جودھ پور لے جانا چاہتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے راشد کے ذہن میں یہ بات بھی آئی تھی کہ شاید جہاز میں کسی قسم کی کوئی خرابی ہے، اس لیے انہیں جہاز اڑانے سے روک دیا گیا ہے لیکن جب انسٹرکٹر جہاز میں داخل ہوا اور اسے خود چلانا شروع کر دیا تو حقیقت واضح ہوتی چلی گئی۔

راشد منہاس نے فوراً ماڑی پور کے کنٹرول ٹاور کو 11 بج کر 29 منٹ اور 29 سیکنڈ پر پیغام دیا۔ ”مجھے اغوا کیا جا رہا ہے۔۔۔۔۔“ غدار مطیع الرحمن نے کلور و فام میں بھیگا رومال ان کی ناک پر رکھ کر اسے بے ہوش کرنے کی کوشش کی۔ اسی دوران کنٹرول ٹاور سے پیغام موصول ہوا۔ ”طیارے کو اغوا ہونے سے بچایا جائے۔“ راشد اور غدار انسٹرکٹر میں تھوڑی سی دھینگا مستی ہوئی مگر راشد بے ہوش ہوتے چلے گئے کیوں کہ رومال نے اپنا اثر دکھا دیا تھا۔ جب راشد بے ہوش ہو گئے تو انسٹرکٹر ایک خاص قسم کے ڈنڈے سے ان کے ہاتھوں پر مارتا رہا تاکہ اگر ہوش میں آ جائیں تو بھی ہاتھ کام نہ کر سکیں۔ اس وقت طیارہ بھارتی سرحد سے صرف چونسٹھ (64) کلومیٹر دوری پر تھا۔ راشد کے بے ہوش ہوتے ہی غدار انسٹرکٹر نے کنٹرول پینل پر قبضہ کر لیا اور طیارے کا رخ بھارت کی طرف موڑ لیا۔ اس غدار کے پاس پاکستان کی اہم خفیہ دستاویز تھیں، جو اگر دشمن کے ہاتھ لگ جاتیں تو پاکستان کو بہت نقصان ہو سکتا تھا۔ اسی دوران راشد کو ہوش آنے لگا۔ وہ کنٹرول ٹاور سے یہ پیغام وصول کر چکا تھا کہ طیارے کو بھارت جانے سے روکا جائے۔ چنانچہ راشد نے ایک فیصلہ کیا اور انسٹرکٹر سے دست و گریباں ہو گیا۔ اپنے سے ڈگنے طاقت ور اور تجربہ کار استاد کو اس مذموم حرکت سے باز رکھنے کے لیے اس نوجوان نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور طیارے کا رخ زمین کی طرف کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یوں طیارہ آج واحد میں زمین سے لکرایا اور گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور ہندوستانی سرحد سے صرف 32 میل پہلے شہید ڈیرہ کے مقام پر طیارہ تباہ ہو گیا۔ یوں راشد منہاس نے جان دے دی مگر اپنے

سب سے پہلی غذا

اُس کریم، کھویا، مکھن، گھی نام پیر ہے، اک بھائی کا بات یہ ہم تم کو سمجھا دیں یہ سب بھائی بہن ہیں اچھے دودھ سے، دودھ کی اولادوں سے سالن، بھجیا، پائے نہاری مچھلی، شامی، سیخ کباب بریانی اور مٹر پلاؤ ابلے چاول، بگھری دال شوق سے کھایا کرتی تھیں شیر مال، پوری و پراٹھے حلوے، شاہی ٹکڑے، کیک قلفہ، برنی، لڈو کھیر دنیا میں لاکھوں کھانے ہیں دودھ کا ہے ان میں کردار زندہ رہنے کے لیے کھاؤ گھر میں یا دعوت میں جاؤ یہی ہے اُسوہ پیارے نبیؐ کا اس نسخے پر عمل کرو گے سب سے پہلی غذا ہے دودھ ماں کی گود سے بڑھاپے تک ہم زندہ البصار ہیں جب تک دودھ کے شکر گزار ہیں تب تک

• علامہ اقبالؒ کے صاحبزادے محترم جسٹس (ر) جاوید اقبال نے یہ بات مجھے بتائی کہ ان کی والدہ کو دال چاول بہت پسند تھے۔

البصار عبدالعلی



عبدالغنی کون تھا؟

جان سے مارنے کے لیے میرے پیچھے لگ گئے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اب آپ کو اس بوٹی کا رس نہیں

دیں گے۔“ بلال نے پوچھا۔

”ہاں۔“ عبدالغنی نے کہا۔

”اور اس کے بغیر آپ زندہ نہیں رہ سکتے۔“ بلال بولا۔

”ہاں! مجھے آٹھ گھنٹے سے بوٹی نہیں ملی۔ میں بس چار گھنٹے کا

مہمان ہوں۔“

سب لوگ عبدالغنی کی حالت پر افسوس کر رہے تھے۔ صرف

آصف خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ جب عبدالغنی خاموش ہوا تو

وہ بولا۔

”اس بوٹی کے بارے میں آپ کو جو کچھ معلوم ہو، بتائیے۔“

”مجھے اور کچھ معلوم نہیں۔“ عبدالغنی نے جواب دیا۔

آصف نے کہا۔ ”دُنیا میں کوئی نشہ ایسا نہیں جس کا توڑ موجود

نہ ہو۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے جہاز کے اندر چلا گیا اور وہاں سے

دوائیوں کا بکس اٹھا لایا۔ پھر اس نے ٹیکا لگانے والی پچکاری نکالی

اور عبدالغنی سے کہا۔ ”بازو پھیلائیے۔ میں آپ کے خون کا امتحان

انجینئر عبدالغنی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”جب سورج

ڈوبے گا تو میں مر جاؤں گا۔ یہ میں آپ کو اس لیے بتا رہا ہوں کہ

آپ آنے والے وقت کے لیے پہلے سے تیار رہیں۔ ان لوگوں

نے مجھے ایک بوٹی کا رس پلا پلا کر اس کا عادی بنا دیا ہے۔ یہ رس

میں پچھلے پچاس برس سے پی رہا ہوں۔ اگر یہ رس مجھے بارہ گھنٹے

تک نہ ملے تو میرا جسم ٹوٹنے لگتا ہے۔“

”کیا نام ہے اس بوٹی کا؟“

”مجھے اس کا نام معلوم نہیں مگر اس کی رنگت سرخ ہے۔ اس

بوٹی کا عادی بنا کر انھوں نے مجھے اپنا قیدی بنا لیا ہے۔ چوں کہ میں

اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اس لیے انھوں نے مجھ پر کسی آدمی کو

نگرانی کے لیے مقرر نہیں کیا۔ جب مجھے پتا چلا کہ آپ لوگ یہاں

آئے ہوئے ہیں تو میں آپ کی جان بچانے کے لیے باہر نکل آیا۔

آپ سے پہلے بھی اس جگہ کئی لوگ آئے تھے مگر وہ سب کے سب

ہلاک ہو گئے۔

”جب ان لوگوں کو میرے باہر نکل آنے کا پتا چلا تو وہ مجھے

کرنا چاہتا ہوں۔“

عبدالغنی نے اپنا بازو پھیلا دیا اور آصف نے چند قطرے خون لے کر بکس اٹھایا اور جہاز کے اندر جاتے ہوئے بولا۔ ”آپ اپنی کہانی جاری رکھیے۔ میں بعد میں اپنے ساتھیوں سے سن لوں گا۔“

”جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے۔“ عبدالغنی نے کہا۔ ”ہمارا بحری جہاز جب چین کے قریب سے گزرا تو سمندری ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کر دیا۔ انھوں نے سارا سامان لوٹ لیا اور میرے سوا سب آدمیوں کو قتل کر دیا۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ ان ڈاکوؤں نے صرف مجھے گرفتار کرنے کے لیے جہاز پر حملہ کیا تھا۔“

”یہ لوگ آپ کو کیوں پکڑنا چاہتے تھے؟“ بلال نے پوچھا۔

عبدالغنی نے کہا۔ ”اس لیے کہ میں ایک انجینئر تھا اور ان تبتیوں کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی، جو ان کی مشینوں کو کھول سکتا اور پھر جوڑ سکتا ہو۔ میرے خیال میں آپ نے کوہ نور پہاڑ کا نام سنا ہوگا۔“

”ہاں! اس کے متعلق ہم تھوڑا بہت جانتے ہیں.....“ ندیم نے کہا۔ ”لیکن جو کچھ اس پہاڑی کے بارے میں کہا جاتا ہے، کیا وہ سچ ہے؟“

”بالکل سچ ہے۔ میں نے یہاں کبھی کسی آدمی کو بیمار ہوتے نہیں دیکھا۔“ عبدالغنی بولا۔

”تو پھر یہاں لوگ مرتے کس طرح ہیں؟“ ندیم نے پوچھا۔

”یہاں کے لوگ بہت لمبی عمر پاتے ہیں۔“ عبدالغنی نے کہا۔

”بعض لوگ دو دو تین تین سو سال تک زندہ رہتے ہیں۔ جب یہ لوگ بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں تو مرتے ہیں۔“

”یہ لوگ کھاتے کیا ہیں؟“ چاجی نے پوچھا۔

”ہر قسم کا اناج اور سبزیاں۔ صرف گوشت نہیں کھاتے۔“

ندیم نے بات بدلتے ہوئے کہا۔ ”غنی لالہ، اس پہاڑ میں سنا ہے ریڈیم موجود ہے؟“

”اس پہاڑ میں ریڈیم کے خزانے ہیں۔ اتنی مقدار میں ریڈیم دنیا کی کسی جگہ پر موجود نہیں۔ اگر انجینئروں کو پتا چل جائے کہ یہاں اتنی ریڈیم ہے تو وہ اس سے دنیا کی کایا پلٹ دیں۔ اس سے

روشنی، حرارت اور طاقت سب کچھ حاصل کی جاسکتی ہے۔“

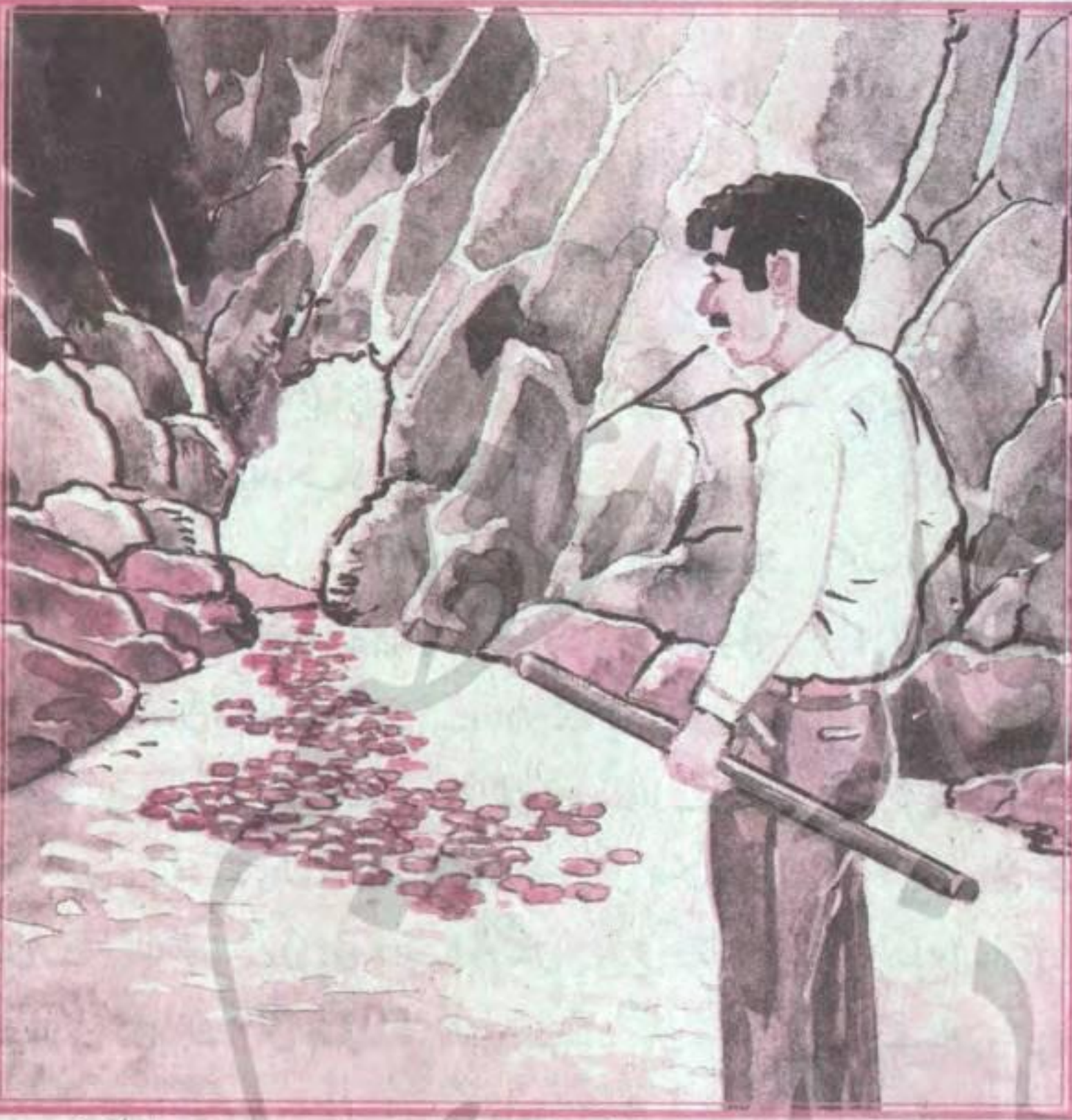
”بعض پڑھے لکھے اور عقل مند تبتیوں نے، جنھوں نے باہر کے ملکوں میں تعلیم پائی تھی، یہاں اتنی ریڈیم دیکھی تو انھوں نے تجربے شروع کر دیے۔ وہ چاہتے تھے کہ ساری دنیا کو فتح کر لیں۔ وہ سالہا سال تک محنت کرتے رہے، انھیں کام یابی ہونے ہی والی تھی کہ ان کی تجربہ گاہوں میں دھماکا ہوا اور سب سائنس دان ہلاک ہو گئے۔ صرف چند آدمی بچ سکے۔“

”جو لوگ بچ گئے تھے انھوں نے پھر سے تجربے کرنے شروع کر دیے۔ کئی سال تک وہ تجربے کرتے رہے..... کام یابی قریب تھی کہ ایک دفعہ پھر زوردار دھماکا ہوا اور سب کچھ تباہ ہو گیا لیکن چند لوگ پھر بھی بچ گئے۔ انھوں نے بھی تجربے جاری رکھے اور اب وہ کام یاب ہونے والے ہیں۔ ان کی کام یابی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ یورپ سے بہت سی مشینیں لے آئے ہیں لیکن ان کو شروع میں یہ معلوم نہ تھا کہ ان مشینوں سے کام کیسے لیا جاتا ہے۔ اس کے لیے انھیں ایک انجینئر کی ضرورت تھی۔ ان کو پتا چلا کہ ایک انجینئر جہاز میں سفر کر رہا ہے تو انھوں نے مجھے گرفتار کرنے کے لیے جہاز پر حملہ کر دیا اور مجھے پکڑ کر یہاں لے آئے۔“

”جب مجھے یہاں کام کرتے ہوئے بیس برس گزر گئے تو ان لوگوں نے ایک اور انجینئر کو گرفتار کر لیا۔ جب اسے ان لوگوں کا مقصد معلوم ہوا کہ یہ لوگ دنیا کو تباہ کر دینا چاہتے ہیں تو اس نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے اسے ایک کنویں میں پھینک دیا جہاں اسے کن کھجوروں نے ہلاک کر دیا۔ آہ! میں نے اتنا بہادر انسان کبھی نہیں دیکھا۔“

”غنی لالہ!“ ندیم نے کہا۔ ”آپ بتا رہے تھے کہ کچھ چیزوں کو یہ لوگ بجلی کے ذریعے قابو میں رکھتے ہیں۔“

”ہاں۔“ غنی بولا۔ ”یہ بڑے عجیب لوگ ہیں۔ یہ ہماری طرح نہیں سوچتے۔ یہ چاہتے تھے کہ روشن پہاڑ سے اجنبی لوگوں کو پرے رکھا جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے سانپوں اور بچھوؤں کی نسل سے ایک نئی قسم کے کن کھجورے پیدا کیے۔ یہ بے حد خطرناک اور زہریلے تھے۔ ان کی وجہ سے کوئی بھی شخص اس پہاڑ کے قریب



آنے کی جرأت نہ کرتا تھا لیکن ایک دن غلطی سے سب کن کھجورے بھاگ نکلے اور انھوں نے یہاں کے بہت سے لوگوں کو کھا لیا۔ پھر ان لوگوں نے ایک اور قسم کے کن کھجورے پیدا کیے۔ یہ زہریلے تو نہیں تھے مگر انسان کا گوشت کھاتے تھے۔ وہ تجربے کرتے رہے اور آخر میں انھوں نے کن کھجوروں کی ایسی نسل تیار کی جن کے پاؤں کے تلووں میں چھوٹی چھوٹی گدیاں تھیں۔ یہ کن کھجورے صرف اس وقت چل سکتے ہیں جب ان کے تلووں کے نیچے بجلی کا کرنٹ ہو۔ آپ پر جن کن کھجوروں نے حملہ کیا تھا وہ اسی نسل سے ہیں۔

”پھر ان لوگوں نے ایک قسم کا پانی

تیار کیا ہے جس کا نام دفع برق ہے۔ اس پانی کا ایک ایک ڈبا ہر گھر میں رکھا ہوا ہے۔ یہ لوگ صبح سویرے اپنے ہاتھ اور پاؤں اس پانی میں بھگو لیتے ہیں تو سارا دن بجلی کا ان پر اثر نہیں ہوتا۔

”ان لوگوں نے ایک نئی قسم کی شعاع بھی دریافت کی ہے۔ اس کی رنگت نیلی ہے۔ جب یہ نیلی شعاع کسی شخص کے جسم پر پڑتی ہے تو پہلے اسے سن کر دیتی ہے۔ پھر وہ آدمی اندھا ہو جاتا ہے اور تھوڑی دیر بعد پاگل ہو کر مر جاتا ہے۔

”یہ لوگ ہر وقت تجربے کرتے رہتے ہیں اور انھوں نے حیرت انگیز چیزیں ایجاد کر لی ہیں لیکن سب سے حیرت انگیز ایک ایسی دوا ہے جس کو پی کر آدمی نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ وہ تو سب کو دیکھ سکتا ہے لیکن اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں، البتہ اس کے ارد گرد ایک نیلے رنگ کی دھند سی چھا جاتی ہے۔ یہ دوا انھوں نے ایک خاص قسم کے پودے سے تیار کی ہے اور اس کا پتا صرف انھی کو معلوم ہے۔

”یہ لوگ بے حد خطرناک ہیں اور سالہا سال کی محنت کے بعد اب یہ لوگ کام یاب ہونے ہی والے ہیں اور چند دنوں کے بعد

یہ ساری دنیا کو اپنا غلام بنانے یا تباہ کر دینے کے لیے نکل کھڑے ہوں گے۔“

”دنیا کو یہ لوگ کیسے تباہ کر سکتے ہیں؟“ چاچی نے پوچھا۔
”سب سے پہلے یہ لوگ اس پہاڑ پر سے نیلی شعاعیں ہر طرف ڈالیں گے جو ایک ایک سومیل کے اندر ہر جان دار کو ہلاک کر کے رکھ دیں گی۔ پھر ایک سومیل کے فاصلے پر یہ لوگ نئے اڈے قائم کریں گے اور وہاں سے موت کی یہ شعاعیں ہر طرف ڈالیں گے اور ایک ایک سومیل کے اندر کی ہر چیز کو فنا کر دیں گے۔ اس طرح یہ چند ہی روز میں ساری دنیا کو ختم کر دیں گے۔ بڑی سے بڑی بحری فوج ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ ہاں! یہ لوگ ہوائی جہازوں سے کافی پریشان ہیں لیکن اس کا بھی انھوں نے ایک توڑ کر رکھا ہے۔ اس پہاڑ کی شعاعوں سے ہوائی جہازوں کے انجن بند ہو جاتے ہیں لیکن اگر ہوائی جہاز کے انجن پر ”دفع برق“ پانی مل دیا جائے تو پھر یہ شعاعیں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔“

”کیا آپ کے پاس یہ پانی ہے؟“ ندیم نے جلدی سے سوال کیا۔
”ہاں ہے۔“ غنی بولا۔ ”میرے پاس ایک بوتل رکھی ہے اور

وہ میں آپ کو ضرور دوں گا۔ اس کا اثر انجن پر کئی دن تک رہے گا۔

”اس پہاڑ سے ایک ہزار فٹ نیچے ان لوگوں کا اڈا ہے جس کی چھت پر انھوں نے ایک مصنوعی جھیل بنا رکھی ہے۔ یہ لوگ اپنے اڈے سے ہی ہر چیز کو قابو میں رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں اس جیسا خطرناک اڈا ساری دنیا میں اور کہیں نہیں۔ ان لوگوں کا سردار اس اڈے کا نگران ہے اور سب کام اسی کے حکم سے ہوتے ہیں۔ اس کا نام چنگ فرنگ ہے۔ اڈے پر ہر وقت زبردست پہرا لگا رہتا ہے، خود مجھے بھی اس میں داخل ہونے کی بہت کم اجازت ہے۔ جب کبھی میں وہاں جاتا ہوں تو میرے ارد گرد پہرے دار ہوتے ہیں۔“

”آج جب آپ لوگ یہاں آئے تو میں ان کے اڈے میں تھا۔ انھوں نے آپ کو ہلاک کرنے کے لیے زمین پر بجلی چھوڑ دی۔ میں نے نظر بچا کر دافع برق پانی کا ایک ڈرم مشین پر انڈیل دیا جس سے زمین میں بہت کم بجلی رہ گئی۔ پھر انھوں نے ایک مشین کا بٹن دبا کر کن کھجوروں کو کھول دیا تاکہ وہ آپ کو کھا جائیں۔ میں پریشان ہو گیا۔ میں نے لوہے کے ایک ڈنڈے سے اس بٹن کو توڑ دیا۔ بجلی بند ہو گئی اور کن کھجورے بے جان ہو گئے۔ وہ لوگ میرے پیچھے بھاگے تو میں بچتا بچتا یہاں بھاگ آیا تاکہ آپ کو خطرے کی اطلاع دے سکوں۔ یہاں وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

”میرے اللہ!“ چاجی کے منہ سے نکلا۔ ”ہمیں چاہیے کہ ہم ساری دنیا کے لوگوں کو ان کے اڈے اور کوہ نور کے بارے میں بتا دیں، ورنہ یہ وحشی تو دنیا کو تباہ کر دیں گے۔“

غنی نے کہا۔ ”آپ کا جانا بے کار ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ دنیا آپ کی باتوں کو سچ نہیں سمجھے گی۔ اگر سچ سمجھ بھی لیا اور کچھ لوگ آپ کے ساتھ یہاں آئے تو یہ لوگ زمین میں بجلی چھوڑ دیں گے اور آپ سب جل کر کوئلا ہو جائیں گے۔ پھر ان کے پاس کن کھجورے ہیں جو آدمیوں کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ اگر آپ کسی ملک کی ہوائی فوج بھی منگوا لیں تو وہ بھی بے کار ثابت ہوگی، کیوں کہ کوہ نور کے ریڈیم کی شعاعوں سے ان جہازوں کے انجن بے کار ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ جس کو چاہیں ہلاک کر دیں گے۔ سب

سے اہم بات تو یہ ہے کہ تقریباً ایک دو ہفتوں میں یہ لوگ دنیا پر حملہ کرنے والے ہیں۔“

سب خوف زدہ ہو کر عبدالغنی کی طرف دیکھنے لگے۔ آخر ندیم نے کہا۔ ”غنی لالہ، آپ ہی بتائیے ہم دنیا کو اس مصیبت سے کیسے بچا سکتے ہیں؟“

”میرے خیال میں اگر آپ ان کا اڈا تباہ کر دیں تو پھر یہ لوگ بے بس ہو جائیں گے۔ یہی ایک طریقہ ہے دنیا کو بچانے کا۔ اب مجھے نیند آ رہی ہے۔“

اتنے میں آصف اپنے بائیں ہاتھ میں خون کا نمونہ اور دائیں ہاتھ میں پچکاری پکڑے۔ ”بچ گئے..... بچ گئے۔“ چلاتا ہوا آیا۔

”کون بچ گئے؟ بات کیا ہے؟“ چاجی نے پوچھا۔

آصف خوشی سے ناپتے ہوئے بولا۔ ”غنی لالہ کو جوشہ دیا جاتا رہا ہے۔ اس میں سرخ رنگ کی افیون اور کوئی اور میٹھی چیز ملی ہوئی ہے۔ میں نے ایک دوا کا ٹیکا تیار کیا ہے جس سے غنی صاحب کے خون میں موجود ساری افیون باہر نکل جائے گی۔ شروع میں ان کو تکلیف تو ہوگی مگر اسے برداشت کرنا پڑے گا۔ لائیے غنی صاحب، بایاں بازو نکالیں میں آپ کو ٹیکا لگا دوں۔ ان شاء اللہ آپ صحت یاب ہو جائیں گے۔“

یہ کہہ کر آصف نے ٹیکے کے ذریعے ساری دوا غنی کے جسم میں داخل کر دی۔

غنی کے چہرے پر ایک اداس مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کہنے لگا۔ ”ممکن ہے میری قسمت میں پشاور دیکھنا ہو۔“

”یقیناً آپ زندہ رہیں گے۔ میں نے نشے والی جڑی بوٹیوں پر بہت تجربے کیے ہیں اور میں ان کا ماہر ہو گیا ہوں۔“ آصف نے مسکرا کر چاجی اور دوسروں کی طرف دیکھا۔

”مجھے چکر آرہے ہیں.....“ غنی اتنا کہہ کر بے ہوش ہو گیا۔ ندیم نے آگے بڑھ کر اسے تھاما۔ آصف نے بتایا کہ ان کا بے ہوش ہو جانا بہتر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری دوا کام یاب رہی ہے۔

ندیم بولا۔ ”میرے خیال میں سب کو بھوک لگ رہی ہے۔ پہلے عبدالغنی صاحب کو جہاز میں لٹاتے ہیں، پھر کھانا کھائیں گے۔“



مات

(فارحہ، کراچی)

”بابا! کل آپ میرے ساتھ اسکول چلیں گے۔ فنکشن ہے میرا اور پھر کل میں آپ کو اپنے پسندیدہ رائٹر احسن کلیم سے بھی ملواؤں گا جو کل مہمان خصوصی ہیں۔“ ارباز میرا بیٹا، میرے گلے میں بانٹیں ڈالے اپنے اسکول کا پروگرام بتا رہا تھا۔ میں ابھی اپنے دفتر سے آیا تھا۔ ارباز میرا اکلوتا بیٹا تھا۔ اسے بچپن ہی سے کہانیاں پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ کہانیوں کے بجائے کھیل وغیرہ میں دلچسپی لے۔ میں اسے ہمیشہ اپنی طرح بنانا چاہتا تھا۔ جیسے وہ کسی مصنف کی ہر وقت باتیں کرتا رہتا تھا، کبھی کبھی مجھے اس رائٹر احسن کلیم سے حسد بھی ہونے لگتا تھا۔ ”ابو آپ نے بتایا نہیں، کل پھر آپ آئیں گے؟“ میں اپنی سوچوں میں گم تھا کہ ارباز میرے چہرے کو چھو کر مجھ سے کل کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ ”ہاں بیٹا! میں آؤں گا اور آپ نے اس دوست کیا نام بتایا.....؟“ میں نے اپنے ذہن پر زور دے کر یاد کرنے کی کوشش کی لیکن نام یاد نہیں آ رہا تھا۔ ”احسن کلیم، ابو احسن کلیم.....“ میرا بیٹا اپنے ہاتھ کو ایک ادا سے ماتھے پر مارتے ہوئے بولا اور مجھے اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔ ”جی! تو ہم کل احسن کلیم سے مل لیں گے، اپنے بیٹے کی خاطر.....“ میں نے اپنے بیٹے کو پیار کرتے ہوئے کہا اور وہ شور مچاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اسے کل کی تیاری بھی کرنی تھی۔ صبح اٹھا تو اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر ارباز کے ہاتھ کا لکھا ہوا پرچہ پڑا ملا تھا جس میں اس نے وقت پر پہنچنے کی تاکید کی تھی۔ میں اٹھا اور اسکول جانے کے لیے تیار ہونے لگا۔ ہال لوگوں

سے بھرا پڑا تھا۔ میں بھی ایک طرف بیٹھ گیا۔ لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو اس وقت یہاں موجود تھا۔ بچوں نے پر فارم کیا، اس کے بعد مہمان خصوصی کو دعوت دی گئی کہ بچوں کو انعامات سے نوازیں۔ جب مہمان خصوصی اسٹیج پر آئے تو مجھے دھچکا لگا۔ میرے سامنے ان دنوں کی فلم چلنے لگی جب میں اسکول میں پڑھتا تھا۔ وہ کالا کلوٹا، دبلا پتلا سا اور اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے، اس کا مذاق اڑانے والے بچے۔ ”یار آج تو مزا آ جائے گا اگر تو یہ جوتوں کا ہار احسن کے گلے میں لٹکا دے۔“ ریحان نے مجھے کہا اور میں اس کے پاس کھڑا تھا۔ وہ میری طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں اس کے قریب گیا اور اس سے کہا کہ میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ پھر اس نے مجھ سے دوستی کر لی۔ وہ اس دن بہت خوش تھا۔ پھر ایک دن میں نے اسے کہا۔ ”یار ریحان سے میری شرط لگی ہے کہ تو یہ پہنے گا۔ یار میں ایسی شرط نہ لگاتا پر وہ کہتا ہے کہ اگر تو میرا دوست ہے تو یہ جوتوں کا ہار ضرور پہنے گا تا کہ ریحان کو معلوم ہو سکے کہ ہماری دوستی سچی ہے اور تو دوست کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔“ میں نے احسن کے سامنے وہی جوتوں کا ہار رکھ دیا تھا اور احسن نے ایک نظر میں میری طرف دیکھا تھا پھر مسکرا کر بولا۔ ”بس اتنی سی بات۔“ اور پھر وہ ہار لے کر اپنے گلے میں ڈال لیا تھا۔ ”یار تیرے لیے تو جان بھی حاضر ہے یہ تو چھوٹی سی فرمائش ہے۔“ اس نے ہار پہن کر مجھے یہ کہا تھا لیکن میں نے زور زور سے سب کو آوازیں دیں اور ریحان کو کہا کہ دیکھ آج میں شرط جیت گیا اور اس کا لے کو الو بنا دیا۔ احسن میری بات سن کر خاموش ہو گیا۔ ہم ہنستے اور قہقہے لگاتے ہوئے اس کے ارد گرد ناچنے لگے اور وہ خاموشی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اپنے ارد گرد ہالے کو توڑ کر باہر نکلا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں آنسو صاف نظر آ رہے تھے لیکن ہمیں ان سے کوئی غرض نہیں تھی۔ ”احمد تیرے پاس بایو کے نوٹس ہیں۔“ میں نے احمد سے پوچھا۔ میری طبیعت خراب تھی اس لیے میں کافی دنوں سے اسکول نہ جا سکا تھا۔ ”نوٹس اور میرے پاس، میرا دماغ اب اتنا بھی خراب نہیں ہوا۔“ احمد جو ہر سال ادھر ادھر سے پوچھ کر پیپر کرتا تھا، نوٹس کا سن کر ہنسنے لگا۔

”یہ لو۔“ کسی نے پیچھے سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے نوٹس دیے۔ میں پیچھے مڑا تو احسن کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں بائو کے نوٹس تھے۔ ”دوست بنایا تھا تمہیں اس لیے تم نہیں آئے تو تمہارے حصے کا سارا کام کر کے رکھ دیا تھا۔“ وہ نوٹس مجھے دے کر ایک طرف چلا گیا اور میں نوٹس لے کر خوشی خوشی تمام دوستوں کو بتانے چلا گیا۔ پھر بہت سا وقت گزر گیا اور سالانہ امتحان قریب آ گئے۔ میں ہمیشہ سے ہی ذہین ہوا کرتا تھا اور احسن بھی پوزیشن لیتا تھا لیکن پتا نہیں کیوں میں اسے ہمیشہ شکست دینے کا سوچتا تھا۔ فرسٹ پوزیشن کے لیے میں نے بہت کوششیں کیں اور آخر کار احسن کو مات دے دی تھی۔ ”میرے یہاں پہنچنے میں میرے دوستوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ میں ان تمام دوستوں کا آج شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جو میرا مذاق اڑاتے تھے۔ میں جب بھی گھر جاتا تھا تو خوب روتا تھا لیکن پھر اپنے جذبات کو کاغذ پر کہانی کی شکل دیتا رہتا تھا۔ میری امی میری حوصلہ افزائی کرتی تھیں اور میرے وہ تمام دوست جو مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتے تھے، میں سمجھتا ہوں کہ میری کامیابی کے پیچھے ان سب کا بڑا ہاتھ ہے۔ آج میں یہاں ان دوستوں کی وجہ سے ہی ہوں۔ اگر وہ میرا مذاق نہ اڑاتے، میرے کالے رنگ پر نہ ہنستے تو شاید آج میں ایک کامیاب مصنف نہ ہوتا۔ میری تحریروں میں وہ جذبات نہ ہوتے جو آج ہیں۔ لہذا یہ تمام کامیابیاں میرے دوستوں کی مرہونِ منت ہیں اور ان میں احسان صاحب ہیں جو کہ میرے بہترین دوستوں میں سے ایک ہیں۔“ احسن کلیم کی آواز مجھے ماضی سے حال میں واپس لے آئی تھی۔ مجھے وہ تمام دن ایک بار پھر یاد آ گئے تھے۔ ”بابا چلیں نا آپ ابھی تک یہیں بیٹھے ہیں، احسن کلیم چلے جائیں گے۔ چلیے نا بابا۔“ پتا نہیں کب ارباز میرے پاس آیا اور میری انگلی پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری ٹانگوں میں سے جان نکل گئی تھی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ کبھی احسن سے ایسے موڑ پر ملاقات ہو گی۔ میں اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکلا اور اس طرف چل پڑا جہاں پر لوگ احسن کلیم کو گھیر کر کھڑے تھے اور اس سے آٹو گراف لے رہے تھے، اس کے ساتھ تصویریں بنا رہے تھے۔ ”بابا چلیں ہم

بھی ایک تصویر احسن کلیم کے ساتھ کھینچوائیں اور بابا پھر اس تصویر کو بڑا کر کے ڈرائنگ روم میں لگائیں گے جہاں پر آنے جانے والے سب لوگ احسن کلیم کو دیکھیں گے، کتنا مزہ آئے گا۔“ ارباز اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا اور مجھے ایسا لگا کہ آج احسن کلیم نے مجھے مات دے دی ہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میں جیت چکا ہوں لیکن آج معلوم ہوا کہ جیت تو اس کے حصے میں آئی تھی اور مات میرے حصے میں۔ مجھے ابھی احسن سے اپنے رویے کی معافی بھی مانگنی تھی اور مجھے امید ہے کہ وہ مجھے معاف بھی کر دے گا کیوں کہ ہم اچھے دوست تھے اور دوستی کے لیے احسن کچھ بھی کر سکتا تھا اور کرے گا بھی۔ میں ارباز کی انگلی پکڑ کر آگے بڑھتا چلا گیا۔

(پہلا انعام: 120 روپے کی کتب)

غمنگین مسکراہٹ

(بینا رانی، ملتان)

کہانی مکمل کر کے اس نے اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر مسکرا کر کاغذ تہہ کر دیا۔ ان دنوں اس کی کہانیاں کئی رسائل میں مسلسل شائع ہو رہی تھیں اور اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ خوشی اس سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ زید بچپن سے کہانیاں لکھنے اور پڑھنے کا شوقین تھا۔ کہانیاں پڑھنے کا شوق تو بچپن سے پورا ہو ہی رہا تھا مگر لکھنے کا شوق اب پورا ہو رہا تھا۔ اس کی کہانیوں میں اسلامی رنگ صاف نظر آیا کرتا تھا۔ قارئین اس کی تحاریر کے دیوانے ہوتے جا رہے تھے۔ اب تو یہ سوچ سوچ کر اس کا سیروں خون بڑھ رہا تھا کہ لوگ اس کی کس قدر عزت کرتے ہیں۔ وہ ہر وقت کہانیاں لکھنے میں مصروف رہتا اور کہانی مکمل کر کے اس پر ایک نظر ڈال کر یہ ضرور سوچتا کہ اس کہانی سے اس کی کتنی عزت بڑھے گی اور یہ سوچ سوچ کر پھولا نہ سماتا کہ مستقبل قریب میں وہ عزت اور شہرت کی انتہائی بلندیوں کو چھو لے گا۔ آج پوسٹ آفس سے واپسی پر زید کی موٹر سائیکل غیر ارادی طور پر ایک مکان کے دروازے پر رک گئی۔ یہ اس کے پسندیدہ رائٹر کا مکان تھا جس کی تحریروں سے ہی اس نے لکھنا سیکھا تھا مگر اب کافی عرصے سے اس نے کسی رسالے میں ان کا نام تک نہیں دیکھا تھا۔ آج پانچ سال کے بعد وہ اس مکان کے دروازے پر پھر دستک دے رہا تھا، ورنہ پانچ

سال پہلے تو وہ وقفہ وقفہ سے ان سے ملتا رہتا تھا۔ دستک دینے پر ایک ادھیڑ عمر شخص باہر نکلا۔ زید ان سے اپنا تعارف کرا کے گرم جوشی سے ملا۔ انہوں نے بھی اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ وہ زید کو بھولے ہرگز نہیں تھے اور پھر آج کل تو زید ایک پسندیدہ رائٹر بنا ہوا تھا۔ زید کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر انہوں نے اندر چائے بنانے کا کہا اور زید کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد زید نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے لکھنا کیوں چھوڑ دیا اور پھر یہ پوچھنے کے بعد زید کو لگا جیسے وہ کوئی غلطی کر بیٹھا ہے کیوں کہ اس سوال کے جواب میں ان کے چہرے پر ایک غمگین مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔ وہ خاموشی سے ایک غیر مرئی نقطہ پر نظریں جمائے کسی سوچ میں گم ہو گئے تھے۔ چند لمحے اسی طرح گزر گئے۔ زید کو لب ہلانے کی جرأت نہ ہو سکی۔ آخر ایک لمبی آہ کھینچنے کے بعد زید کے پسندیدہ رائٹر آصف علی آصف کے لبوں میں جنبش ہوئی۔

”مجھے بچپن سے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ خدا کی قدرت کہ اس نے مجھے زبردست اندازِ تحریر عنایت فرما دیا۔ میری تحاریر میں اسلامی رنگ نمایاں ہوتا تھا۔“

”جی..... جی بالکل۔“ زید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ آصف علی کہنے لگے۔ ”کہانی لکھنے سے میرا مقصد صرف اور صرف دین کی تبلیغ اور بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرنا تھا بس۔ میں نے دن رات ایک کر کے کہانیوں کے ذریعے اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ انتہائی قلیل مدت میں، میں اس قدر مشہور ہو گیا کہ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہو گا۔ میری عزت گزرتے ہوئے ہر دن کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔ مجھے کئی ایوارڈ مل چکے تھے۔ بڑے بڑے رسائل والے فون کر کے کہانیاں لکھنے کی پیشکش کرتے..... اور پھر.....“ اتنا کہہ کر آصف علی خاموش ہو گئے۔ ان کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں اور وہ پھر کسی گہری سوچ میں کھو گئے۔

”پھر کیا؟“ زید نے انہیں خیالات کی دنیا سے باہر نکالا۔

”اور پھر اس عزت، شہرت اور ناموری نے میرا مقصد مجھے بھلا دیا۔ میں جس قدر مشہور ہو رہا تھا، اس سے زیادہ مشہور ہونے

کا شوق بڑھتا جا رہا تھا۔ جتنی عزت مجھے مل رہی تھی اس سے کہیں زیادہ عزت کی تمنا بڑھ رہی تھی۔ مقصد تو میں بھولا ہی تھا، اس کے ساتھ یہ بات بھی بھول گیا تھا۔“ آصف علی نے اپنے کمرے کی دیوار پر چسپاں کاغذ پر لکھی ہوئی آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”وتعز من تشاء و تذلل من تشاء۔ اور تو عزت دیتا ہے جسے تو چاہتا ہے اور ذلیل کر دیتا ہے جسے تو چاہتا ہے۔“

”ہاں! میں بھول گیا تھا عزت دینا رب کا کام ہے۔ دنیا کسی کو عزت نہیں دے سکتی، نہ ذلیل کر سکتی ہے۔ میں معزز ہو کر مغرور ہو گیا۔ غرور میرے ہر عضو سے جھلکنے لگا تھا۔ ہر ایک کو کم تر سمجھنا میری عادت بن گئی اور پھر..... پھر میرے رب نے مجھے بس اتنی سی سزا دی کہ مجھ سے اپنا دیا ہوا اندازِ تحریر چھین لیا۔“ یہ کہتے ہوئے آصف علی کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔

”ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اس کے بعد لکھا ہی نہیں، بہت لکھا مگر پہلے تو پندرہ بیس تحریروں میں سے کوئی ایک دو شائع ہو جاتیں پھر وہ بھی ختم۔“ زید بت بنا آصف علی کی گفتگو سن رہا تھا۔ چائے بالکل ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ زید نے چائے کا کپ اٹھا کر ایک گھونٹ میں خالی کیا اور ان سے سلام دعا کے بعد باہر نکل آیا۔ آصف علی کے مکان کا دروازہ کھٹکھٹانے سے پہلے اسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ ملاقات اس کے لیے اس قدر نفع بخش ثابت ہو جائے گی۔ آج گھر پہنچنے سے پہلے زید نے اپنے دل میں موجود شہرت اور نام وری کے جراثیموں کو اندر ہی ختم کر دیا تھا اور اس رب کی شکرگزاری کا عہد کر لیا تھا جس نے اسے لکھنے کا ڈھنگ سکھایا تھا۔

(دوسرا انعام: 100 روپے کی کتب)

گلابی الہنگا

(حافظہ آمنہ، لاہور)

امی جان ابھی ابھی بازار سے خریداری کر کے گھر آئی تھیں۔ تمام لفافے بستر پر ڈھیر تھے اور بچے بھی بستر پر جمع تھے مگر کسی بھی لفافے کو ہاتھ نہیں لگا رہے تھے۔ امی جان کا حکم تھا کہ پہلے عصر کی نماز ادا کی جائے گی پھر خریداری دیکھی جائے گی کہ کس کے لیے کیا آیا ہے؟ امی جان عید کی خریداری پہلے ہی کر لائی تھیں تاکہ رمضان کے روزے اطمینان سے رکھ سکیں۔ فراز، علی، مریم، آمنہ، خدیجہ

پانچ بہن بھائی نہایت تمیز دار اور اچھے اخلاق والے بچے تھے۔ امی جان اکثر یہ کہتیں: ”بھئی! اپنے لیے جینے کا کیا مزہ..... دوسروں کے لیے بھی جینا چاہیے۔“ امی جان نماز پڑھ کر کمرے میں آ چکی تھیں۔ سب بچے اشتیاق سے بیٹھے اپنے اپنے اندازے لگا رہے تھے۔

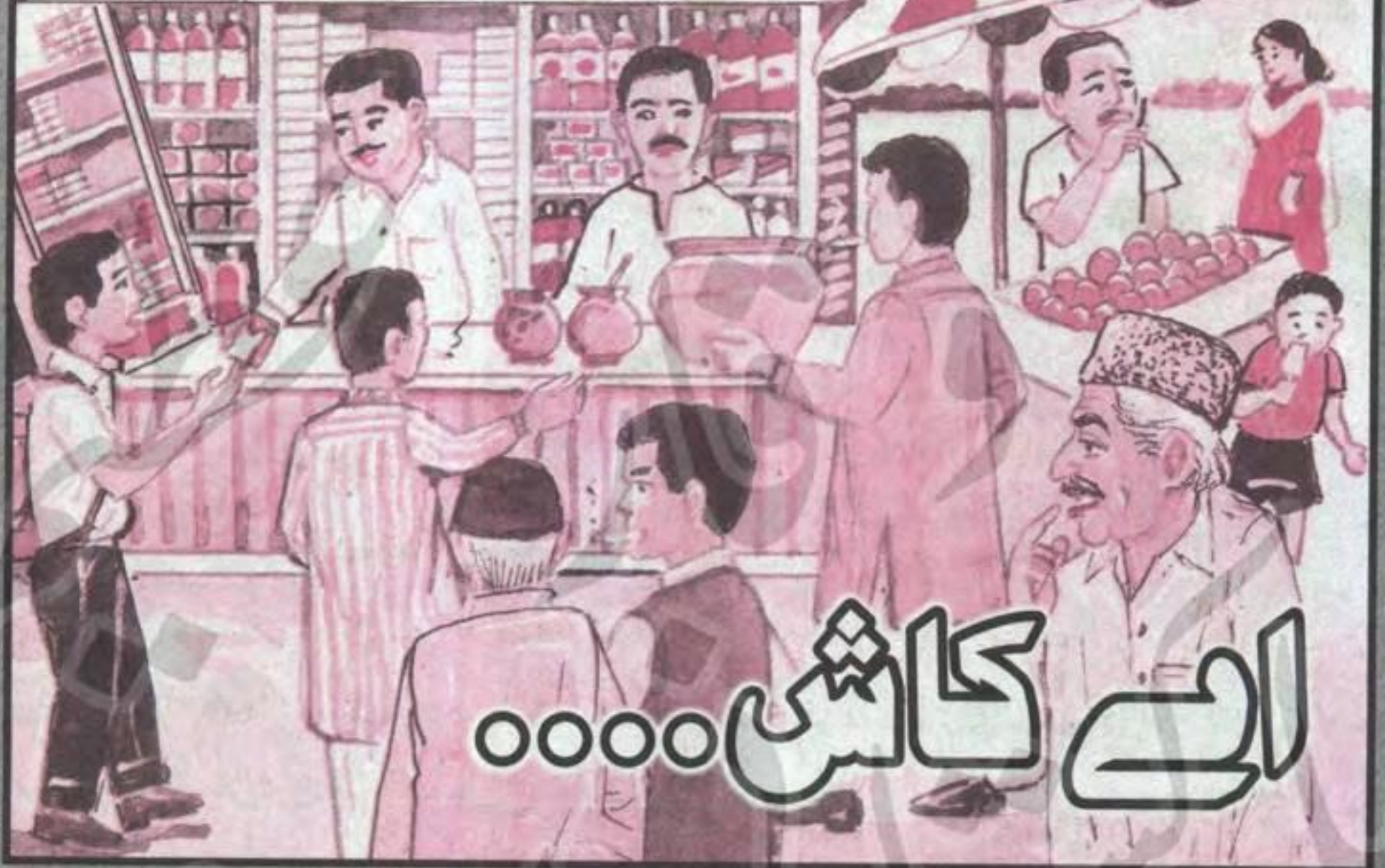
”لو بھئی فراز بیٹے! یہ تمہاریے لیے نیلے رنگ کا شلوار سوٹ، کتنا خوب صورت لگے گا میرے بیٹے پر۔“ ”اوہ! آپ کو کیسے پتا چلا کہ مجھے نیلا رنگ پسند ہے۔“ حنان خوش ہو کر بولا۔ سب کو کپڑے اور جوتے بہت پسند آئے۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ صبح ہی عید کا چاند نظر آ جائے اور ہم جھٹ پٹ تیار ہو کر عید کی نماز پڑھنے جائیں۔ اب آخری پیکٹ رہ گیا تھا۔ آمنہ کا دل دھڑکنے لگا تھا کیوں کہ صرف اس کا ہی سوٹ رہ گیا تھا۔ ”لو بھئی، یہ ہماری بیٹی آمنہ کا سوٹ ہے۔“ اتنا خوب صورت سوٹ دیکھ کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ گلابی رنگ کا لہنگا جس پر سبز اور سفید موتیوں کا کام ہوا تھا۔ آمنہ کا خوب صورت چہرہ مارے خوشی کے دمک اٹھا۔ سب بچے امی جان کا شکریہ ادا کرنے لگے اور فراز میاں کے تو کیا ہی کہنے، وہ امی زندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔

”بھئی یہ زندہ باد والے نعرے مت لگاؤ۔ میں کوئی لیڈر تھوڑی ہوں۔ مجھے تو تم لوگ نیک اور لائق بن کر خوش کر سکتے ہو۔ اب اپنے اپنے سوٹ الماری میں سلیقے سے رکھو تاکہ ہر چیز چاند رات کو اپنی جگہ پر ملے۔ اس پورے مہینے میں آمنہ ہر روز الماری کھولتی اور لہنگا دیکھتی۔ آج آخری روزہ تھا، سب کو چاند رات کا بے صبری سے انتظار تھا۔ امی جان نے کپڑے استری کروا کر رکھ دیے تھے۔ امی نے آمنہ کو ماسی صابروہ کے گھر افطاری دینے کا کہا۔ صابروہ کے کوارٹر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ آمنہ نے جیسے ہی قدم اندر رکھا، اسے ایسے محسوس ہوا جیسے کسی کو مار پڑ رہی ہے۔ آمنہ وہیں ٹھٹک کر دیوار کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔ مارنے کے ساتھ ساتھ آوازیں بھی صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ”تو نے آمنہ بی بی کا لہنگا کہاں دیکھ لیا۔ بول استری کرنے تو میں گئی تھی۔“ صابروہ غرائی۔ ”وہ میں تجھے بلانے گئی تھی تب یہ استری اسٹینڈ پر پڑا تھا۔“ نازو نے روتے ہوئے بتایا۔ ”تو اتنی ندیدی کب سے ہو گئی، تجھے

تو پتا ہے، ہم کتنے غریب ہیں تیرے خرے کیسے اٹھائیں۔“ ”ماں ایک لہنگا ہی تو مانگا ہے، کوئی پوری دکان تو نہیں مانگی۔“ ”اچھا چل ایسے کرتے ہیں کہ عید کے بعد بیگم صاحبہ سے کہہ دوں گی جب یہ تھوڑا پرانا ہو جائے تو میری نازو کو دے دیں۔“ ”پھر وہی پرانا۔“ نازو تڑپ گئی۔ ”کیا غریب نیا کپڑا بھی نہیں پہن سکتے۔ عید کے عید بھی ہمارے لیے پرانے کپڑے ہی ہوتے ہیں۔“ آمنہ آگے بڑھی سلام کیا، افطاری دی اور آگئی۔ افطاری کا وقت قریب تھا، سب بچے بہت خوش تھے اور ان کی امی تلاوت کر رہی تھیں۔ آج میں نے جو آیات پڑھی ہیں، ان میں ایک کا ترجمہ بتاتی ہوں۔ ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تم تب تک نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تم اپنی وہ چیزیں جو تمہیں بہت عزیز ہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔“ آمنہ کی آنکھوں سے نازو کا چہرہ ہٹ ہی نہیں رہا تھا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ کب اذان ہوئی، کب افطاری، کب چاند دیکھا، اسے کچھ یاد نہ تھا۔ یاد تھا تو صرف گلابی لہنگا۔ وہ اپنے کمرے میں گئی، گلابی لہنگا نکالا، کچھ دیر اسے دیکھا۔ پھر اسے لفافے میں ڈالا اور ساتھ میں گلابی اور سبز رنگ کی چوڑیاں بھی رکھیں۔ ”امی میں ماسی صابروہ کے گھر جا رہی ہوں۔“ آمنہ نے کہا اور کوارٹر میں چلی گئی۔ اس نے نازو کو عید مبارک کہا اور نازو کو وہ لفافہ تھما دیا۔ ”یہ لو تمہارا عید کا تحفہ۔“ جب نازو نے لفافے میں دیکھا تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ صبح آمنہ نے الماری سے چوڑی دار پا جامہ اور کرتہ پہن لیا۔ خدیجہ اور فراز آمنہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ پوچھنے ہی والے تھے کہ جو آمنہ اٹھتے بیٹھتے لہنگے کو دیکھتی تھی، اس نے لہنگا پہنا ہی نہیں۔ ادھر سے نازو لہنگا سنبھالتے ہوئے گھر میں داخل ہوئی تو سب کو سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ امی جان نے ایک نظر نازو کو دیکھا جو بہت خوش تھی اور پھر آمنہ کی طرف دیکھا جو مہربان پریوں کی طرح مسکرا رہی تھی۔ امی جان کا دل خوشی سے بھر گیا۔ ”میری آمنہ! میرے دل کا سرور، اللہ آپ کو ہمارے لیے دنیا اور آخرت کا نور بنائے۔“ امی جان نے نم ناک آنکھوں سے آمنہ کی پیشانی چوم لی۔ (تیسرا انعام: 80 روپے کی کتب)

☆☆☆

مضبوط قوت ارادی ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے



اے کاش...

چکا ہے مگر گھبرانا بالکل نہیں۔ اس خدا پر بھروسا رکھو جو مردے میں بھی جان ڈال دیتا ہے اور یہ حقیقت اور میرا مشاہدہ ہے کہ وہی مریض جلد اپنی بیماری کی جنگ جیت جاتے ہیں جو اپنی قوت ارادہ سے کام لیتے ہیں۔ تم علاج اور پرہیز جاری رکھو

”دیکھو ریحان! میں ان ڈاکٹرز میں سے نہیں جو اپنے مریض کو ان کی بیماری سے بے خبر رکھتے ہیں یا پھر اتنا ڈرا دیتے ہیں کہ مریض موت سے پہلے مر جاتا ہے۔ بحیثیت ڈاکٹر میرا فرض ہے کہ میں تمہاری بیماری سے متعلق ٹھیک ٹھیک آگاہ کروں۔ پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہوگا۔ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تمہیں اپنی بیماری سے آگاہ ہونے کا یہ فائدہ ہوگا کہ تم باقاعدگی سے علاج کرو گے اور مضر صحت چیزوں سے پرہیز کرو گے۔ ان شاء اللہ رب رحیم سے امید ہے کہ تم جلد بہتری کی طرف لوٹ آؤ گے۔ تم بلا کے سگریٹ نوش ہو اور اسی بُری عادت نے تمہیں اس حال تک پہنچایا ہے۔ آج کے بعد تمہاری سگریٹ نوشی پر مکمل پابندی ہے۔ کاش تم اس حالت تک پہنچنے سے ذرا پہلے اپنی صحت کی فکر کرتے ہوئے اپنا چیک اپ کروا لیتے تو حالات اس سے مختلف ہوتے۔“

”مگر مگر!!! ڈاکٹر صاحب کچھ بتائیے تو آخر میرا مرض کیا ہے؟“

ریحان نے ڈاکٹر کی اتنی لمبی تمہید سے گھبرا کر پوچھا۔ ”ہاں ریحان میری اتنی طویل گفتگو کا مقصد یہ تھا کہ تم حوصلے سے اپنی میڈیکل رپورٹس کے نتائج سنو۔ دراصل تمہیں حلق اور پیچھے دلوں کا کینسر ہو

اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دو، وہ ضرور کرم کرے گا۔“ ڈاکٹر عبدالسلام نے ریحان کو حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے بھرپور تسلی دی۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے اسے دوا باقاعدگی سے لینے اور پرہیز کرنے کی ہدایت کی اور دوسرے مریضوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ریحان اتنی خطرناک بیماری کے انکشاف پر مردہ قدموں سے ڈاکٹر صاحب کے کمرے سے نکل کر باہر رکھی بیچ پر بیٹھ گیا۔ غیر ارادی طور پر اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ یہ افسوس اور ندامت کے ملے جلے آنسو تھے۔ اس نے دکھ سے سوچا، کاش میں نے والدین کے منع کرنے پر سگریٹ نوشی کو اپنی پختہ عادت نہ بننے دیا ہوتا تو آج اس حال کو نہ پہنچتا۔ اسے اپنی گزری زندگی ایک فلم کی طرح یاد آنے لگی۔ وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کی پیدائش پر والدین اللہ کے شکر گزار تھے۔ ماں نے بڑی محبت سے اس کا نام ریحان رکھا جو جنت کے ایک پھول کا نام ہے۔ ماں اکثر اسے جنت کا پھول کہتی۔ والدین نے اچھی تربیت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ بچپن میں وہ اپنے والدین کے ہمراہ ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ دیہاتی ماحول میں تعلیم کی کمی کی وجہ سے اکثر بچے آوارہ گھومتے اور



ریحان کو ماری، دونوں سگریٹ اس سے نکل کر دور جا گرے۔ اس کے والد نے اس کی خوب پٹائی کی۔ ماں بھی گھر پر نہیں تھی جو اسے والد کی مار سے بچا لیتی۔ والد کی باز پرس پر ریحان نے انکشاف کیا کہ وہ گزشتہ ایک سال سے سگریٹ نوشی کر رہا ہے۔ اس دن ریحان کے والد نے گاؤں چھوڑ کر شہر بسنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے پر وہ کن مشکلات سے گزرے۔ یہ ایک الگ داستان ہے مگر والدین کی لاکھ کوششیں اور تدابیر بھی ریحان کی سگریٹ نوشی نہ چھڑا سکیں بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی علت میں اضافہ ہوتا گیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ کوئی بھی غلط عادت صرف اسی وقت چھوٹ سکتی ہے جب اس میں مبتلا شخص بذات خود اسے بُرا سمجھے اور ترک کرنے کا بھرپور عہد کرے۔ ریحان کے والدین اب اس دنیا میں نہیں۔ وہ ایک بہترین گورنمنٹ جاب کرتا ہے مگر بلا کا سمو کر ہے اور خود پیارے پیارے تین بیٹوں کا باپ ہے۔ اپنی گزری زندگی اور غلطیوں کو سوچتے سوچتے ریحان نے ایک عزم کے ساتھ نہ صرف اپنی بیماری سے لڑنے بلکہ اپنے معصوم بیٹوں کے علاوہ پورے علاقے کے بچوں کو اس مضر صحت عادت سے بچانے کا عہد کیا۔ وہ رب کریم کی ذات سے پُر امید ہے کہ رب رحیم اسے صحت کے ساتھ اپنے ارد گرد کے ننھے پھولوں کو اس لعنت سے محفوظ رکھنے کی توفیق بھی عطا کرے گا۔ وہ اسی عزم سے بیخ سے اٹھا اپنے آنسو صاف کیے اور اسٹور سے دوا لینے چل پڑا۔

والدین سے چھپ کر چھوٹی عمر میں سگریٹ نوشی جیسی بُری عادت میں مبتلا ہو جاتے۔ ریحان کے والدین نے اپنے بیٹے کو ان بُری عادات سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے گاؤں کے واحد اسکول میں اسے داخل کروا دیا مگر اسکول ٹائم کے بعد کھیل کے نام پر جو وقت والدین کی طرف سے ملتا، وہ ایسے لڑکوں کے ساتھ گزرتا جو چھوٹی عمر میں ہی سگریٹ نوشی کے عادی ہو چکے تھے۔ ریحان پر بھی بُری صحبت کا اثر ہوا۔ اس نے اپنے بُرے دوستوں کے اصرار پر پہلی بار اپنے والدین سے چھپ کر سگریٹ کا کش اس وقت لگایا جب وہ چوتھی جماعت کا طالب علم تھا اور اُس کی عمر صرف دس سال تھی۔ بچے چاہے کتنی بھی ہوشیاری دکھائیں ان کی غلط حرکتیں والدین سے زیادہ دیر چھپی نہیں رہتیں۔ جلد ہی ریحان کے والد کو بھی ریحان کی سگریٹ نوشی سے متعلق معلوم ہو گیا۔ ایک دن جب ریحان کے والد گھر کا کچھ ضروری سودا سلف لینے شہر گئے ہوئے تھے، اس نے ایک دکان سے تین سگریٹ خرید کر ایک سگریٹ سلگایا اور بقیہ دو کو جیب میں رکھا۔ اس کے والد نے جو شہر سے واپسی پر بس سے اتر کر گھر کی جانب جا رہے تھے، ریحان کو دیکھ لیا۔ انہوں نے ریحان کو غصہ سے زور دار آواز دی۔ ریحان نے اپنے والد کی آواز پہچان کر مڑ کر دیکھے بغیر گھر کی جانب دوڑ لگا دی۔ سلگائی گئی سگریٹ راستے میں پھینک دی۔ گھر کا باہر کا گیٹ کھلا تھا جب کہ تمام کمروں کے دروازے بند تھے کیوں کہ ماں بھی کہیں گئی ہوئی تھی۔ ریحان نے جلدی سے جیب میں موجود سگریٹ چھپانے کے لیے کوئی محفوظ جگہ تلاش کی۔ صحن میں ایک چارپائی اور ایک جھاڑو کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ ریحان نے جھاڑو کے تنکوں میں جڑ کے اندر سگریٹ چھپا کر اسے دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ اسی اثناء میں اس کے والد بھی گھر پہنچ چکے تھے۔ سامان کی وجہ سے انہیں آنے میں چند منٹ کی تاخیر ہوئی۔ والد نے سامان چارپائی پر رکھ کر ریحان کا بازو پکڑ کر سگریٹ کے متعلق پوچھا تو ریحان نے صاف جھوٹ بول دیا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں نے کوئی سگریٹ نہیں خریدی۔ ریحان کے والد کو اس کی سگریٹ نوشی اور پھر جھوٹ بولنے پر سخت غصہ آیا۔ انہوں نے قریب پڑی جھاڑو اٹھا کر جیسے ہی

مسجد اردو، دہلی

اسلام کی عظمت رفتہ کا امین

باب الاسلام سنی

وفات پا گئے۔ سری لنکا کے حکمران نے عرب تاجروں کو ایک بحری جہاز مہیا کیا اور قیمتی تحائف دے کر عرب روانہ کر دیا۔

بحری جہاز کراچی کے نزدیک ایک بندرگاہ پر پہنچا۔ ان دنوں سندھ پر راجہ چچ کا بیٹا راجہ داہر حکومت کرتا تھا۔ راجہ داہر اس کے سپاہیوں نے اس بحری جہاز کو روک لیا۔ انہوں نے سارا سامان لوٹا اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ اس بحری قافلے میں ایک لڑکی نے وائی بصرہ کو خط لکھا اور مدد کی درخواست کی۔ ان دنوں بصرہ کا گورنر حجاج بن یوسف تھا۔ اس کو اطلاع ملی۔ حجاج بن یوسف نہایت سخت گیر اور اعلیٰ منتظم تھا۔ اس نے راجہ داہر سے قیدیوں کی رہائی اور مال و اسباب کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

اس وقت خلیفہ وقت ولید بن عبدالملک تھے۔ ان کی اجازت سے راجہ داہر کی سرکوبی کے لیے دو دفعہ لشکر روانہ کیا۔ ابتدائی ناکامی کے بعد حجاج بن یوسف کی نظر عماد الدین محمد بن قاسم ثقفی پر پڑی۔ یہ حجاج بن یوسف کا بھتیجا تھا۔ اس کی عمر 17 سال تھی۔ یہ نہایت بہادر، نڈر اور اولوالعزم نوجوان تھا۔ محمد بن قاسم جنگی ساز و سامان کے ساتھ مکران اور شیراز سے ہوتا ہوا 711ء (93ھ) کو دہلی کی

پیارے بچو! تاریخ شاہد ہے کہ بعض اوقات ایسے واقعات ہو جاتے ہیں جن سے حالات کا رخ بدل جاتا ہے، قوموں کی قسمت اور مستقبل بدل جاتا ہے۔ آئیے ہم آپ کو ایک ایسا واقعہ سناتے ہیں جس سے برصغیر کی تاریخ پر دور رس اثرات مرتب ہوئے۔

یہ آٹھویں صدی عیسوی کے ابتدائی سال ہیں۔ ظہور اسلام سے پہلے عرب کے تاجر تجارت کی غرض سے جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک میں جایا کرتے تھے اور یہ تاجر مالا بار سراندیپ (سری لنکا) کے جزیروں میں آباد ہو چکے تھے۔ عرب کے تاجر تجارت کی غرض سے بحر ہند سے گزرا کرتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد عرب تاجروں کے قافلے زیادہ تعداد میں اس سمت آنے لگے۔ عرب کے تاجر چوں کہ بہت ایمان دار، اعلیٰ اخلاق اور دیانت دار تھے اس لیے مقامی لوگ ان کی بہت قدر کرتے تھے۔ عربوں کی تجارت کی بدولت یہاں کے لوگ اور راجہ خوش حال ہو گئے تھے۔

آٹھویں صدی کے ابتدائی سالوں ہی کا واقعہ ہے کہ کچھ عرب تاجر تجارت کی غرض سے سری لنکا گئے۔ ان میں سے کچھ تاجر

بندرگاہ کے قریب ٹھہرا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔

بندرگاہ کے چاروں طرف ایک مضبوط فصیل تھی۔ شہر کے لوگوں نے اس فصیل کے اندر رہ کر مدافعت کی۔

اسی دوران سمندر کے راستے عرب سے ایک توپ (منجیق) پہنچ گئی۔ لہذا محمد بن قاسم نے توپ کے ذریعے حملہ کیا اور سنگ باری کی۔ سنگ باری سے دیہل کے وسط میں ایک عبادت گاہ تھی جس کا گنبد بھی ٹوٹ گیا اور پرچم بھی گر گیا۔ راجہ داہر کی فوجوں کے اوسان خطا ہو گئے کیوں کہ ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ جب تک مندر پر پرچم لہراتا رہے گا اس شہر کو کوئی فتح نہیں کر سکتا۔ اب گھمسان کارن پڑا۔ محمد بن قاسم کی جواں ہمت فوج نے زوردار حملہ کیا اور دیہل پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔ اس نے دیہل کے قید خانے میں موجود قیدی عورتوں اور بچوں کو بازیاب کرا کر عرب روانہ کیا۔

پیارے بچو! یہ دن ایک نہایت اہم دن تھا جب جنوبی ایشیاء کی تاریخ میں اس سرزمین پر پہلی بار اسلامی پرچم سر بلند ہوا۔ راجہ داہر میدان جنگ سے فرار ہوا اور سندھ کی حدود سے باہر سو راشٹر کے علاقے ”کچھ“ میں پناہ لی۔ رمضان 93ھ میں سندھ کو ”باب الاسلام“ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ یہاں کے لوگ بدامنی، ظلم و ستم کا شکار تھے لہذا اسلام کے داخلے سے رواداری، انسان دوستی، حسن سلوک اور اسلام کے مثالی عادلانہ نظام سے لوگ آشنا ہونے لگے۔ یہاں کے مقامی لوگوں نے جوق در جوق اسلام قبول کیا اور سندھ اسلام کے نور سے منور ہوا اور یہ علاقہ ”باب الاسلام“ کہلانے کا حق دار ٹھہرا۔

عماد الدین محمد بن قاسم نے اپنی جرأت و شجاعت، تدبیر، فراست، عسکری مہارت، رواداری، غیرت و حمیت، رحم دلی اور حسن سلوک سے اس خطے کو اسلام کے نور سے منور کیا۔

ہندو، محمد بن قاسم کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ ہندو معاشرہ اونچ نیچ، معاشرتی ناہمواری کا شکار تھا۔ انہوں نے محمد بن قاسم کو خوش آمدید کہا۔ ہندوستان کے عوام و خواص اپنے اس عادل و منصف اور بے نظیر امیر کے لیے مدتوں تڑپتے رہے۔ اس کی جدائی پر ہر آنکھ اشک بار تھی۔ بقول اقبال

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہی مردوں کی شمشیریں
محمد بن قاسم نے مفتوحہ قوم کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا۔
مذہبی فراخ دلی اور مذہبی آزادی فراہم کی۔

محمد بن قاسم نے فتوحات کے بعد مختلف علاقوں میں مسجدیں قائم کیں۔ جن میں ایک مسجد دیہل میں قائم کی جہاں 4 ہزار مسلمانوں کو آباد کیا اور دوسری مسجد اروڑ کے مقام پر قائم کی جو ہندوستان کی سب سے قدیم اور پہلی مسجد کے طور پر جانی جاتی ہے۔ محمد بن قاسم کی اس خطے میں آمد سے جبر و استحصال، ظلم، بدامنی، غلامی، نا انصافی کا تاریک دور ختم ہوا۔ کفر و شرک اور اصنام پرستی کا سورج غروب ہوا اور اسلام کی پُر نور کرنیں ہر سمت پھیل گئیں۔ بت کدے نعرہ توحید سے گونج اٹھے۔ یہاں پر اسلام کی تہذیبی، ثقافتی اور معاشرتی اقدار پھلی پھولیں۔ یوم باب الاسلام اس عہد کی تجدید ہے کہ ہمیں ظلم و جبر اور باطل کے خلاف ڈٹ جانا چاہیے۔ حق کی بقا کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ حق ہمیشہ رہنے والا ہے اور باطل مٹنے کے لیے ہی ہے۔

دیہات کا سفر

بجستان: سرزمین فارس کا ایک شہر، اسے ”سیستان“ بھی کہتے ہیں۔ اس شہر کا نام بجستان کیسے پڑا، اس کی وجہ بڑی عجیب و غریب ہے۔ کہتے ہیں کہ لفظ ”سگ“ یوں تو فارسی میں ”کتے“ کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن قدیم زمانے میں یہ لفظ چوکیدار، رکھوالے اور سپاہی کے لیے بھی بولا جاتا تھا، چونکہ یہ شہر فوجی چھاؤنی تھا، اس لیے اسے ”سگستان“ کہا گیا یعنی لشکر کا پڑاؤ۔ بعد میں ”سگستان“، ”بجستان“ اور پھر ”سیستان“ بن گیا۔ عربی قاعدے کے مطابق ”بجستان“ کے رہنے والے کو ”سجری“ کہتے ہیں۔

اصفہان: ایران کا مشہور شہر ہے۔ ایک قول کے مطابق اس لفظ کی اصل، ”اسپاہان“ ہے یعنی سپاہیوں اور فوجیوں کی چھاؤنی۔ اس کو اختصار کے ساتھ ”صفابان“ اور ”سپاہان“ بھی کہتے ہیں۔ بعض ماہرین ”اسپاہان“ کا تعلق ”اسپ“ یعنی گھوڑے سے جوڑتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہاں فوجی گھوڑوں کی دیکھ بھال کی جاتی تھی، اس لیے اس جگہ کا نام پہلے ”اسپ ہا“ یعنی اسپ کی جمع، کئی گھوڑے بنا، پھر ”اسپاہان“ ہو گیا۔ اس کا ایک تلفظ ”اصبہان“ ہے، جسے عربی سے اخذ کیا گیا ہے۔



پیارے بچو! السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

تعلیم و تربیت کے تمام نئے قارئین کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کے خطوط بہت توجہ اور انہماک سے پڑھے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس روی کی ٹوکری ضرور ہے لیکن آپ کے خطوط کے لیے نہیں۔ آپ کے خطوط باری باری شائع کر دیے جاتے ہیں۔ آپ سب بچے تعلیم و تربیت کے گلشن کے خوش نما اور خوب صورت پھول ہیں۔ لہذا تعلیم و تربیت کے اس گلشن کو مہکائے رکھیے گا۔ تعریفی خطوط بھیجنے کا شکریہ۔ آپ کی تجاویز اور آراء کا انتظار رہے گا۔

(عابدہ اصغر، اسٹنٹ ایڈیٹر)

میری عمر 13 سال ہے۔ میں 5 سال سے تعلیم و تربیت پڑھ رہی ہوں۔ میری کہانی شائع کریں تاکہ میری حوصلہ افزائی ہو۔

(ثوبیہ انجم میرپور، آزاد کشمیر)

☆ ڈیر ثوبیہ! آپ کا خوب صورت اور رنگ برنگ خط پڑھ کر بہت خوش ہوئی۔ کہانی معیاری ہوئی تو ضرور شائع ہوگی۔ تعلیم و تربیت پڑھتی رہیے گا اور تمام سلسلوں میں حصہ بھی لیجئے۔

تعلیم و تربیت بچوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو نکھارنے کا موقع دیتا ہے۔ میری والدہ صاحبہ بھی تعلیم و تربیت میں کہانیاں اور نظمیں بھیجا کرتی تھیں۔ یہ ہماری اُردو کو بہتر کرنے میں مدد دیتا ہے۔

(جویریہ ٹکیل، لاہور)

میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں۔ رسالہ اتنا معیاری ہے کہ جو بھی دیکھتا ہے، پسند کرتا ہے۔ بچوں کے ساتھ بڑوں میں بھی مقبول ہے۔ کیا ہم مختلف سلسلے ایک ہی لفافے میں بھیج سکتے ہیں؟

(اقراء رشید، تاندلیا نوالہ)

☆ پسندیدگی کا شکریہ۔ جی ہاں! مختلف سلسلے ایک ہی لفافے میں بھیج سکتے ہیں۔

اگست کے شمارے کی تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ کیا میری کہانی ”چچا تیزگام نے گاڑی چلائی“ قابل اشاعت ہے؟ کیا ہونہار مصور میں انعام بہ ذریعہ قرعہ اندازی ہوتا ہے؟ (حسب اللہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

☆ ڈیر حبیب اللہ! چچا تیزگام کا کردار ختم کر دیا گیا ہے۔ تمام سلسلوں میں انعامات بہ ذریعہ قرعہ اندازی دیے جاتے ہیں ماسوائے ”ہونہار مصور“ کے۔

میں تقریباً ایک سال سے یہ ماہ نامہ پڑھ رہی ہوں۔ میں ساتویں جماعت میں پڑھتی ہوں۔ میں نے انعامی سلسلوں میں حصہ لیا ہے۔ اُمید ہے آپ کو پسند آئے گا۔ (ماہ نور عباس، واہ کینٹ)

☆ ڈیر ماہ نور! انعامات بہ ذریعہ قرعہ اندازی دیے جاتے ہیں، لہذا انتظار تو کرنا پڑے گا۔ ٹھیک ہے ناں؟

تعلیم و تربیت ایک معیاری رسالہ ہے۔ پہلی بار خط لکھ رہا ہوں۔ ستمبر میں میرے بھائی کی سال گرہ ہے۔ (حماد، وارپٹن)

☆ آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ بھائی کی سال گرہ مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کے بھائی اور آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے اور مخلوق کے لیے نفع بخش بنائے۔ آمین!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ میں ایک کہانی اور کچھ تحریریں بھیج رہی ہوں۔ ان کو رسالے میں جگہ مل سکتی ہے؟ اگست کا شمارہ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ تمام کہانیاں پسند آئیں۔

(عروج فاطمہ، لاہور)

☆ ڈیر عروج! آپ انعامی سلسلوں میں بہ ذریعہ خط حصہ لیا کریں۔ پسندیدگی کا شکریہ۔ قلمی تعاون جاری رکھیے گا۔

اگست کا شمارہ ملا۔ بہت پسند آیا۔ تحفہ، پیارے اللہ کے پیارے نام، معلومات عامہ، زرد گیندے کا پھول، قدرت کے فیصلے اور نیلی روشنی کا راز بہت پسند آئیں۔ یہ پہلا خط ہے۔ میں پانچویں جماعت میں پڑھتی ہوں اور ہمیشہ سیکنڈ پوزیشن لیتی ہوں۔

(زنیرہ شاہ، نچوال کینٹ)

☆ ڈیر زنیرہ، شاباش! مزید محنت کریں اور اول پوزیشن حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ کے لیے بہت سی دُعاں ہیں۔

اگست کا شمارہ بہت پسند آیا۔ تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ میرا خط

☆ آپ کو سال گرہ مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ آمین!

اگست کا شمارہ زبردست تھا۔ پچھلے مہینے خط لکھا مگر شائع نہیں ہوا۔ میں تعلیم و تربیت بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔

(ازکی رحمن، راول پنڈی)

ماہ نامہ تعلیم و تربیت سے میرا تعلق بہت پرانا ہے۔ میری والدہ ذکیہ بلگرامی نے اس رسالے کے لیے بے شمار کہانیاں لکھیں۔ میرا بچپن اسے پڑھتے ہوئے گزرا ہے۔

(عالیہ ضیاء، کراچی)

☆ محترمہ عالیہ صاحبہ! آپ کا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ محترمہ ذکیہ بلگرامی ہمارے لیے قابل احترام ہیں۔ اپنی تحریریں اور رابطہ نمبر بھی ضرور بھیجیں۔

اگست کا شمارہ شان دار تھا۔ تمام کہانیاں بے مثال تھیں۔ حمد اور نعت نے مزہ دو بالا کر دیا۔

(راشدہ منور، ننکانہ صاحب)

☆ صفاء رشید نے کراچی سے بہت خوب صورت عید کارڈ بھیجا ہے اور عید مبارک کا پیغام دیا ہے۔

پچھلے دو مہینوں سے تعلیم و تربیت میں شرکت نہیں کر سکتی۔ دُعا کیجیے کہ میں امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہو جاؤں۔

(خضاء اشرف)

☆ ڈیر خضاء اللہ تعالیٰ آپ کو اچھے نمبروں سے پاس کرے۔ آمین! انہوں نے خوب صورت عید کارڈ پر عید کا پیغام دیا ہے۔ شکریہ!

اگست کا شمارہ زبردست تھا۔ میں ڈیڑھ سال سے تعلیم و تربیت پڑھ رہا ہوں۔ میں پہلے اکیلا پڑھتا تھا، اب میرے کزن علی اور احمد رضا اور میرے بھائی شریز احمد اور آویز احمد بھی پڑھتے ہیں۔ میں اور میرا بھائی قرآن حفظ کر رہے ہیں۔ دُعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں جلد از جلد حافظ اور قاری بنائے۔ آمین! (فراز احمد خیرپور، نامیوالی)

☆ ہماری دُعا میں آپ کے ساتھ ہیں۔

اگست کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ میں پچھلے 5 سالوں سے یہ رسالہ پڑھ رہی ہوں۔ کھیل اور کھلاڑی میں موجودہ کھلاڑیوں میں کچھ نہ کچھ ضرور شائع کریں۔ یہ میرا پہلا خط ہے مجھے خوش آمدید کہہ دیں۔

(کرن فاروق، گوجرانوالہ)

☆ آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

ضرور شائع کیجئے گا۔ کیا ہونہار مصور میں تصویر کے معیار کو دیکھا جاتا ہے یا یہ ذریعہ قرعہ اندازی؟

(تاب زینت، جہلم)

☆ ”ہونہار مصور“ میں تصویروں کے معیار کو دیکھا جاتا ہے۔

مجھے اگست کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ کہانیوں میں تین دن یا تین ہفتے، مرغا چور اور تحفہ بہترین تھیں۔ یہ میرا پہلا خط ہے۔

(آمنہ کامران، سرگودھا)

تعلیم و تربیت کے تمام سلسلے زبردست ہیں۔ میں پچھلے سات سال سے پڑھ رہی ہوں۔ 24 اگست کو میری سال گرہ ہے۔

(نہب کامران، سرگودھا)

☆ ڈیر نہب! ڈھیروں دُعاؤں کے ساتھ سال گرہ مبارک ہو۔

میں چار سال سے تعلیم و تربیت پڑھ رہی ہوں۔ اگست کا شمارہ زبردست تھا۔ اوجھل خاکے اور مختصر مختصر کا سلسلہ جاری رکھیے گا۔ میں نے اپنی کہانی ”محنت اور ذہانت“ بھیجی ہے، کیا آپ کو مل گئی ہے؟

(کنزلی جدون، ایبٹ آباد)

☆ جی ہاں! آپ کی کہانی مل گئی ہے۔

میں پچھلے چھ سال سے تعلیم و تربیت پڑھ رہا ہوں لیکن میری کوئی بھی چیز شائع نہیں ہوئی۔

(امان احمد خان، فیصل آباد)

میں دسویں جماعت کا طالب علم ہوں۔ 4 ماہ سے تعلیم و تربیت پڑھ رہا ہوں۔ تین دن یا تین ہفتے اور چیلنج اچھی کہانیاں تھیں۔

(انجاز، پشاور)

تعلیم و تربیت بہترین رسالہ ہے اور ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ یہ میرے اسکول میں درسی کتاب کی جگہ پڑھایا جاتا ہے۔ مجھے اکثر رسالہ دیر سے ملتا ہے۔

(بسمہ محبوب، بیکن لائٹ اکیڈمی، کراچی)

میں یہ رسالہ مسلسل 4 سال سے پڑھ رہا ہوں۔ میں چھٹی جماعت کا طالب علم ہوں۔ کیا انوکھی دُنیا ناول ختم کر دیا گیا ہے؟

(محمد حمزہ، فیصل آباد)

☆ انوکھی دُنیا ناول ختم کر دیا گیا ہے۔ اب نیا ناول ”نیلی روشنی کا راز“ پڑھیے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجیے۔

اگست کا شمارہ بہت پسند آیا۔ تحفہ، خالہ باتونی کا آزادی فینٹیل، تین دن یا تین ہفتے لاجواب تھیں۔ آزادی مبارک ہو۔ 14 اگست کو میری سال گرہ ہے۔

(اسد کاظمی، اسلام آباد)

پہلے دی



ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا بلبیل تھا کوئی اداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی اڑنے چگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سن کر بلبیل کی آہ و زاری جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری میں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے

آتے ہیں جو کام دوسروں کے

یہ نظم انگلستان کے مشہور و مقبول شاعر ولیم کوپر کی ایک نظم سے ماخوذ ہے۔ ولیم کوپر ۱۷۳۱ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۰۰ء میں اُس کا انتقال ہوا۔
بانگِ درا اقبال کا پہلا اردو مجموعہ کلام ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۴ء کو شائع ہوا۔ بانگِ درا کو اقبال نے تین حصوں میں تقسیم کیا
ہے۔ پہلا حصہ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۵ء تک، دوسرا ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک، تیسرا ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۴ء تک کا کلام شامل ہے۔
بانگِ درا کا کلام ہر ایک کی زبان پر تھا۔

بانگِ درا کا مطلب ہے ”گھنٹی کی آواز“ جس یا درا کی آواز قافلے والوں کو کوچ اور روانگی کی اطلاع دیتی ہے تاکہ سوئے ہوئے مسافر
سفر کے لیے تیار ہو جائیں اور پھر بانگِ درا کی راہ نمائی میں منزل کی طرف رواں دواں ہو جائیں۔ اقبال کی یہ ”بانگِ درا“ اسمِ بامسمیٰ ہے
اور قوم کے لیے بیداری کا پیغام ہے۔ وہ خود کہتے ہیں:

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ پیا پھر کارواں ہمارا

جادہ پیا: راستہ چلنے والا

تب بنی جب دریا کے راستے میں موجود پتھر ٹوٹ پھوٹ کر اس کے راستے سے ہٹ گئے۔ اس آبشار کی گرج دار آواز کی وجہ سے ادھر کے مقامی لوگوں نے اس آبشار کو ایک اور نام دیا ہے۔

Mosi-oa-Tunya جس کا مطلب ہے ”گرجتا ہوا دھواں۔“ اس کو یہ نام وکٹوریا آبشار (Victoria Falls) سکائش پادری اور مہم جو David Livingstone نے دیا تھا جو 1855ء میں یہاں آیا تھا۔

انجیل آبشار

یہ آبشار جنوب مشرقی وینزویلا (Venezuela) میں Rio Churun کے مقام پر واقع ہے۔ یہ سارا سال چلنے والی دنیا کی سب سے اونچی آبشار ہے۔ یہ 3212 فٹ کی اونچائی سے گرتی



ہے۔ یہ 1935ء میں ایک امریکی ہوا باز اور مہم جو James C. Angel نے دریافت کی اور اس کے نام پر ہی اس کا نام انجیل آبشار (Angel Falls) رکھا گیا۔

کریب ٹری آبشار

یہ آبشار امریکہ کی سٹیٹ شمالی کیرولینا (North Carolina) میں واقع ہے۔ اس کی اونچائی ستر فٹ ہے۔ اس تک پہنچنے کے



لیے پہاڑوں پر دو میل کا سفر کر کے جانا پڑتا ہے۔

دنیا کی عظیم آبشاریں

نیا گرہ آبشار

یہ آبشار امریکہ اور کینیڈا کی سرحد پر واقع ہے۔ اس آبشار کی کھائی امریکہ کے شہر نیویارک کے علاقے Watertown سے



شروع ہو کر کینیڈا کے صوبے Ontario کے جزیرے Manatoulin تک جاتی ہے۔ اس کی لمبائی 1609 کلومیٹر ہے اور یہ ایک پرانے دریا کی سطح کے ٹوٹنے سے وجود میں آئی۔ یہ کھائی 600 سے 620 فٹ اونچی ہے۔ اس کھائی سے پہلے کچھ ندیاں آپس میں مل کر ایک دریا میں گر جاتی ہیں اور یہ دریا آبشار کی شکل میں اس کھائی پر سے گرتا ہے۔ اس دریا کو دریائے نیا گرہ کہا جاتا ہے۔ Niagara Falls جس جگہ سے وجود میں آئی وہ جگہ سب سے پہلے ایک ماہر ارضیات Dr. Roy Spencer نے دریافت کی اور اسی وجہ سے اس جگہ کو Roy Terrace کہا جاتا تھا۔

وکٹوریا آبشار

دنیا کی ایک بہت ہی خوبصورت آبشار وسطی افریقہ میں دریائے زیمبیزی Zambazi پر شمال مغربی زمبابوے اور جنوبی



زیمبیا کی سرحد پر واقع ہے۔ اس مقام پر ایک میل چوڑا دریا 360 فٹ کی بلندی سے ایک تنگ کھائی میں جا گرتا ہے۔ یہ تنگ کھائی



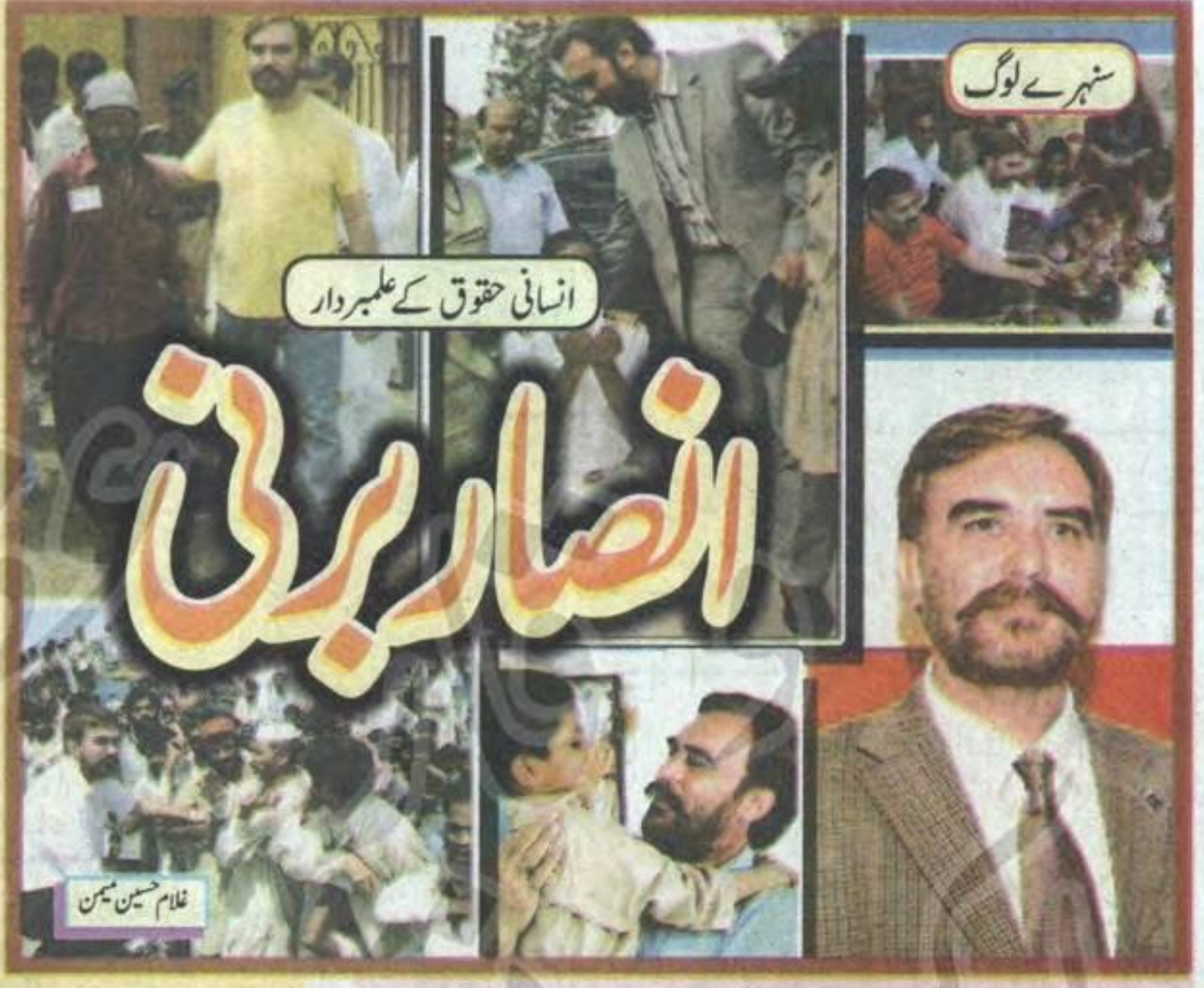
پھر وکالت کے عملی میدان میں آ کر تربیت لی۔

جب ذاتی طور پر مقدمات لینا شروع کیے تو پہلا ہی مقدمہ ایسا ملا کہ اس کی فیس تین لاکھ روپے ملی۔ اس نے اس رقم میں سے ایک لاکھ روپے اپنی بیگم کو دیے اور باقی دو لاکھ روپے بے گناہ قیدیوں کو قید سے نجات دلانے کے کام کے آغاز کے لیے رکھ چھوڑے۔ یہ کہانی ہے انصار برنی کی جو آج انسانی حقوق کے میدان میں ایک بڑا حوالہ ہیں۔ ان کے کام کا میدان، پاکستان اور پاکستان سے باہر ہر

وہ ملک ہے جہاں بے گناہ پاکستانی قید میں ہیں اور ظلم کا شکار ہیں۔ انصار برنی پاکستان کی آزادی کی سال گرہ والے دن 14 اگست 1956ء کو آرام باغ، کراچی کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ اپنے مشن کے آغاز میں انہوں نے ”انصار برنی ویلفیئر ٹرسٹ“ قائم کیا اور اس کا دفتر اسی کلینک کے سامنے بنایا جہاں ان کی پیدائش ہوئی تھی۔

پہلا بے گناہ قیدی، جسے ان کی کوششوں سے رہائی کا پروانہ ملا، مہر دین تھا۔ اصل جرم کسی اور مہر دین نے کیا تھا اور ملتے جلتے نام کا فائدہ اٹھا کر پولیس نے دوسرے بے گناہ مہر دین کو جیل میں ڈال کر اپنا کھانا مکمل کر لیا۔ مہر دین 31 سال تک بے گناہ جیل میں رہا۔ ان کے اس کام کو بے پناہ شہرت ملی۔ اس کے بعد دوسرا قیدی اختر تھا جس کی پیدائش جیل میں ہی ہوئی تھی اور وہ 40 سال کی عمر تک پہنچنے پر بھی بغیر کسی جرم اور اندراج کے قید ہی تھا۔ اس کے علاوہ حیدر آباد جیل میں قید گوگی نامی عورت کو 55 سال کی عمر میں قید سے نجات دلائی۔ آزادی پانے کے 16 دن بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا۔

انصار برنی نے اب تک 7 لاکھ سے زائد بے گناہ افراد کو ملکی و غیر ملکی جیلوں سے رہائی دلوائی ہے۔ انہیں کئی بے گناہ قیدی خط لکھ کر اپنی جانب توجہ مبذول کراتے ہیں اور ان کا ادارہ پھر ایسے لوگوں کے لیے کوششیں تیز کر دیتا ہے۔



انصار برنی

وہ اسلامیہ کالج، کراچی کا طالب علم تھا اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا اس کا شوق تھا۔ ان دنوں ملک کے ایک منتخب وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت ختم کر کے فوجی حکومت قائم ہوئی تھی۔ یہ نوجوان بھی اس تبدیلی سے ناخوش تھا۔ اس نے اس پر احتجاج کیا۔ وہ اپنے کالج کی سیاسی تنظیم کا صدر بھی تھا۔ اسے جیل بھیج دیا گیا۔

باری باری اسے تین بار جیل کی ہوا کھانا پڑی۔ اس دوران اس نے محسوس کیا کہ کئی بے گناہ لوگ بھی اس جیل کی چار دیواری کے اندر قید ہیں اور ان کی رہائی کی کوئی صورت بھی نظر نہیں آتی۔ وہ ہر بار سوچتا کہ مجھے ان کی رہائی کے لیے کچھ کرنا چاہیے مگر باہر جا کر بھول جاتا۔ تیسری بار جیل جانے کے موقع پر ایک شام وہ جیل میں نیم کے درخت کے نیچے بنے چبوترے پر بیٹھا تھا کہ ایک بزرگ اس کے قریب آئے اور کہا:

”تمہیں بار بار جو یہاں لایا جا رہا ہے، یہ دراصل تمہاری تربیت ہو رہی ہے، بے گناہوں کے لیے کام کرو۔“

اس واقعے نے گویا اس کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ اس نے سیاست چھوڑ کر بے گناہوں کو قید سے نجات دلانے کا تہیہ کر لیا۔ اس کے لیے وکیل بننا لازمی تھا۔ اس لیے اس نے اسلامیہ کالج میں وکالت کے شعبے میں داخلہ لیا اور وکیل بن کر ہی باہر نکلا۔

ان کی کوششوں سے کئی پاکستانی جو بیرون ممالک کی جیلوں میں بے گناہ قید تھے، آزادی پا کر باعزت وطن واپس لوٹے۔ یہ خوشی نہ صرف قیدیوں بلکہ انصار برنی کے لیے بھی اہم تھی۔

انہوں نے انصار برنی ویلفیئر ٹرسٹ کے پلیٹ فارم سے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور بالآخر خلیجی ممالک میں اونٹ ریس پر پابندی لگوائی۔ ان اونٹ ریس کے لیے پاکستان، بنگلہ دیش، بھارت اور سری لنکا سے بچوں کو اغواء کر کے خلیجی ممالک میں لایا جاتا تھا۔ ان بچوں کی عمریں 3 سے 10 سال کے درمیان ہوتی تھیں۔ ان چھوٹے بچوں سے روزانہ 16 سے 18 گھنٹے جبری مشقت لی جاتی تھی۔ کام کے دوران اگر کسی بچے کو نیند یا اونگھ آ جائے تو ان بچوں کو بجلی کا کرنٹ لگایا جاتا تھا۔ اس کرنٹ کی وجہ سے کئی بچے ذہنی توازن کھو بیٹھے تھے۔ ان بچوں کو کھانے کے لیے باسی روٹی دی جاتی تھی تاکہ وزن بڑھنے نہ پائے۔ بعد میں ریس کے دوران کئی بچے اونٹ کے پیروں تلے آ کر روند جانے سے موت کے منہ میں چلے جاتے تھے۔ یہ انصار برنی کی کوششوں سے ہی ہوا کہ اب اس ظالمانہ ریس پر پابندی لگ چکی ہے۔

انصار برنی کی آئیڈیل شخصیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہے، کیوں کہ ان سے بڑا انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والا دنیا میں اور کوئی نہیں آیا۔ دنیاوی اعزازات کے ساتھ انہیں مسجد نبویؐ کی توسیع کے دوران مسجد نبویؐ میں اینٹ لگانے کا

اعزاز اور کعبۃ اللہ کی توسیع کے موقع پر اینٹ نصب کرنے کی سعادت ملی۔ شاید یہ ان ہی دُعاؤں کا ثمر تھا جو انہیں بے گناہ قیدیوں نے آزادی کے وقت اور اغواء ہونے والے جب اپنے لواحقین سے دوبارہ ملے تو دی ہوں گی۔ دُعا کیں اور نیکیاں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔

1980ء میں قائم ہونے والے انصار برنی ویلفیئر ٹرسٹ کے تحت بے گناہ قیدیوں کی مدد کا شعبہ اور گرم شدہ اور اغواء ہونے والوں کی بازیابی کے لیے شعبہ قائم ہے۔ اسی ادارے کی توسط سے کئی اغواء اور گرم ہونے والے بچے اپنے گھروں کو پہنچ چکے ہیں۔ ان کے ہمراہ اس کام میں ان کے بھائی صارم برنی اور انصار برنی کے صاحبزادے بھی شریک ہیں۔

ان کی ان خدمات کے اعتراف میں کئی ملکی اور غیر ملکی اعزازات بھی انہیں مل چکے ہیں جن میں امریکی بائیوگرافر انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے انسانی حقوق کے شعبے میں کام کرنے پر مین آف دی ایئر 1991ء کا اعزاز اور 1992ء میں فرانس کے ہیومن رائٹس ادارے کا انعام بھی نمایاں ہے۔

حال ہی میں صومالی قزاقوں کے ہاتھوں قید کئی پاکستانیوں کو آزاد کروا کر انہوں نے عالمی پریس کی توجہ اپنی جانب مرکوز کروا لی۔ وہ آج بھی ماضی کی طرح فعال ہیں اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کام کرنے کو ہر دم تیار رہتے ہیں۔

دُعا کے آداب

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دُعا مانگنا بعینہ عبادت کرنا ہے۔ پھر آپؐ نے بطور وکیل قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ترجمہ: اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھ سے دُعا مانگا کرو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے اس طرح باتھا اٹھا کر مانگا کرو کہ ہتھیلیوں کا رخ سامنے ہو، ہاتھ الٹے کر کے نہ مانگا کرو اور جب دُعا کر چکو تو اٹھے ہوئے ہاتھ چہرے پر پھیر لو۔

فضالہ بن عبیدؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا کہ اس نے نماز میں دُعا کی جس میں نہ اللہ کی حمد نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس آدمی نے دُعا میں جلد بازی کی۔ پھر آپؐ نے اس کو بلایا اور اس سے یا اس کی موجودگی میں دوسرے آدمی سے مخاطب کر کے آپؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو (دُعا کرنے سے پہلے) اس کو چاہیے کہ اللہ کی حمد و ثناء کرے، پھر اس کے رسولؐ پر درود بھیجے، اس کے بعد جو چاہے اللہ سے مانگے۔

ابوزہیرؓ نمیریؓ سے روایت ہے کہ ہم میں سے ایک نے پوچھا کہ حضورؐ دُعا کے صحیح خاتمہ کا اور مہر ٹھیک لگانے کا طریقہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: آخر میں آمین کہہ کر دُعا ختم کرے۔ (تو اگر اس نے ایسا کیا تو بس اللہ تعالیٰ سے ملے کرالیا۔)

ایک ہلکی پھلکی مزاحیہ تحریر

کیفے ڈی جٹ

سعید لخت

ہے، کیفے ڈی جٹ۔ اسے ایک ضروری کام سے گوجرانوالہ جانا ہے۔ شام تک واپس آئے گا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ آج کے دن اس کا ریسٹورنٹ میں سنبھال لوں۔ میں اکیلا سارا کام نہیں کر سکتا۔ تم میرے ساتھ چلو۔ کھانا مفت، چائے مفت۔ اس کے علاوہ ڈھیر ساری بخشیش یعنی ٹپ۔“

جب وہ کیفے ڈی جٹ پہنچے تو کیفے کا مالک جمیل جٹ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ علیک سلیک کے بعد انور جٹ نے جمیل جٹ سے کہا۔ ”ان سے ملو۔ یہ ہیں میرے دوست رشید بٹ بی اے۔ میں انہیں بھی لے آیا ہوں۔ کام کاج میں میرا ہاتھ بٹائیں گے۔ امید ہے تمہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“

”ارے نہیں۔“ جمیل جٹ مسکرا کر بولا۔ ”مجھے تو خوشی ہوئی، کیوں کہ عبدالرزاق بیرا چھٹی لے گیا ہے۔ خیر، میں شام تک واپس آ جاؤں گا اور ہاں، کل رات میرے بڑے بھائی کا راول پنڈی سے فون آیا تھا۔ وہ آج کسی وقت لاہور آ رہے ہیں۔ ذرا خجلی سے ہیں۔ انہیں سنگ روم میں بٹھا دینا اور جب تک میں نہ آؤں،

”ہیلو، بٹ!“ انور جٹ نے اپنے لنگوٹیا یار، رشید بٹ کو آواز دی جو بغل میں کاغذوں کا پلندا دبائے تیز تیز قدم اٹھاتا چلا جا رہا تھا۔

”کوئی ضروری کام ہے؟“ انور جٹ نے رشید بٹ سے پوچھا۔ ”ہاں“ رشید بٹ نے جواب دیا۔ ”ایک سرکاری محکمے میں کلرکوں کی چند اسمیاں خالی ہوئی ہیں، آخ تھو۔ میں نے بھی درخواست دی تھی، آخ تھو۔ وہیں جا رہا ہوں۔ آخ تھو۔“

”مگر یہ آخ تھو آخ تھو کیوں؟“ انور جٹ نے پوچھا۔

”اس لیے کہ مجھے پتا ہے سرکاری نوکری کسی گٹری سفارش یا بھاری رشوت کے بغیر نہیں ملتی اور میرے پاس نہ سفارش ہے نہ رشوت کے لیے پیسے۔ بی اے کرنے کے بعد دو سال سے بے کار پھر رہا ہوں۔“

”تو پھر مسٹر آخ تھو، فضول وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ آؤ، میرے ساتھ چلو۔“

”مگر کہاں؟“ رشید بٹ نے پوچھا۔

”میرے ایک رشتے دار، جمیل جٹ کا مال روڈ پر ریسٹورنٹ

جانے نہ دینا۔ اچھا، خدا حافظ۔“

”چلو، مسٹر بٹ!“ انور جٹ آستینیں چڑھا کر بولا۔ ”میں کاؤنٹر سنبھالتا ہوں، تم گاہکوں کو سنبھالو۔ وہ دیکھو، ایک گاہک آیا ہے۔ پوچھو، کیا چاہتا ہے۔“ ایک نوجوان بہت تنگ جینز اور شرٹ پہنے، منہ سے سیٹی بجاتا ہوا اندر آیا اور ایک کرسی پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ وہ مسلسل سیٹی بجائے جا رہا تھا۔ رشید بٹ دوڑ کر اس کے پاس پہنچا اور بولا۔ ”سر، یہ شریفوں کا ریسٹورنٹ ہے۔ یہاں اعلیٰ خاندان کی خواتین آتی ہیں۔ یہاں اس قسم کی حرکتیں کرنا برا سمجھا جاتا ہے۔“

”آئی سی.....“ نوجوان نے سیٹی بجا کر کہا۔ ”دراصل آج میں بہت خوش ہوں۔“

”کیا میں جناب کی اس خوشی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟“ بٹ نے کہا۔ ”میری بیوی واپس آ گئی ہے۔“ نوجوان بولا۔

”اوہ!“ بٹ اُچھل کر بولا۔ ”محترمہ کہاں تشریف لے گئی تھیں؟“

”میسکے چلی گئی تھی، روٹھ کر۔“ نوجوان نے کہا۔

”تو پھر سر، یہ بین یعنی سیٹی اس کے سامنے بجاتے۔ یہاں کیوں پھونک ضائع کر رہے ہیں؟ ویسے، بائی دی وے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“ بٹ نے پوچھا۔

نوجوان بولا۔ ”دو شامی کباب، گرما گرم۔ ایک پلیٹ چپس۔ ایک کپ کافی، ملائی والی۔“

اب کیفے میں آہستہ آہستہ گاہک آنے لگے تھے اور بٹ اور جٹ بہت پھرتی دکھا رہے تھے۔

”آپ کا بل، سر!“ بٹ نے ایک گاہک کے سامنے بل رکھتے ہوئے کہا۔ ”35 روپے۔“

”یہ لو 40 روپے۔“ گاہک بولا۔ ”5 روپے تمہاری ٹپ۔“

”اوہ! تھینک یو، سر۔ آپ بہت مال دار معلوم ہوتے ہیں، ماشاء اللہ!“ بٹ خوش ہو کر بولا۔

”ہاں! ایسا ہی سمجھ لو۔“ گاہک نے کہا۔ ”میرے ماں باپ

آئرن (Iron) اور اسٹیل (Steel) کا کاروبار کرتے ہیں اور میں اس کام میں ان کا ہاتھ بٹاتا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ بٹ بولا۔ ”یعنی آپ کی والدہ آئرن یعنی استری کرتی ہیں اور آپ کے والد صاحب اسٹیل (Steal) یعنی چوری کرتے ہیں؟“

”ہا ہا ہا!“ گاہک قہقہہ لگا کر بولا۔ ”بہت خوش مزاج معلوم ہوتے ہو اور پڑھے لکھے بھی۔ اگر تم اسی طرح گاہکوں کو ہنساتے رہو تو تمہارا کیفے خوب چلے گا۔ ہا ہا ہا!“

”ویٹر!“ ایک عورت کی آواز آئی۔ یہ کوئی انگریز خاتون تھی۔

بٹ اس کے پاس گیا اور ادب سے بولا۔ ”یس، میڈم!“

خاتون بھڑک کر بولی۔ ”ہم میڈم نائیں ہائے۔ ابھی ہم نے شاڈی نائیں بنایا۔“ بٹ نے جلدی سے کہا۔ ”اوہ! آئی ایم سوری، مس.....“

”مس آسبورن۔“ خاتون بولی اور پرس میں سے آئینہ نکال کر بال ٹھیک کرنے لگی۔

”اوکے، مس آسبورن! فرمائیے، میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟“ بٹ نے کہا۔

”ڈیکو!“ مس آسبورن بولی۔ ”ایک چکن برگر مانگتا۔ ایک کافی مانگتا۔ ایک کوک مانگتا۔ شوگر نہیں مانگتا۔ کریم بھی نہیں مانگتا۔ اور سنو، تھوڑا گور بھی لاؤ۔“

”گور.....؟“ بٹ سر کھجانے لگا۔ ”یہ کون سی ڈش ہے؟“

”ویل، ٹم کیا بنڈر کے مافک سر کھجانا ہائے؟“ مس آسبورن بولی۔ ”گور نہیں جانتا؟ ہم نے پاکستان کے ایک ویلج میں کھایا تھا۔ ہم کو بہوٹ اچھا لگا۔ اب پھر کھانا مانگتا۔“

”اوکے، مس۔ میں Chef (باورچی) سے پوچھتا ہوں کہ یہ ڈش تیار ہے یا نہیں۔“ بٹ بھاگا بھاگا انور جٹ کے پاس گیا اور بولا۔ ”یہ انگریز خاتون گور مانگتی ہے۔ یہ کیا بلا ہے؟“

”گور؟“ انور جٹ سوچتے ہوئے بولا۔ ”گور تو قبر کو کہتے ہیں۔ اب ہم اس کے لیے یہاں قبر کھودیں؟“

”کہتی ہے، ہم نے پاکستان کے ایک گاؤں میں کھایا تھا۔“

بٹ نے بتایا۔

”اوہ! بیڑا غرق۔ یہ کہیں گڑ کو تو گور نہیں کہہ رہی؟“ جٹ نے

ہنس کر کہا۔ ”کہنا، گور ختم ہو گیا ہے۔ اب کل بنائیں گے۔“

”مس، گور ختم ہو گیا ہے۔ کل بنائے گا۔“ رشید بٹ نے مس

آسبورن کو بتایا۔

”کوئی باٹ نائیں۔“ مس آسبورن نے کہا اور پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ”ڈیکو، ہم نے تمہیں پہلے کہیں ڈیکا ہے۔ ٹم کبھی لنڈن گیا؟“

”لنڈن؟“ رشید بٹ نے کہا۔ ”لنڈن تو بہت دور ہے۔ میں تو ابھی تک بھائی پھیرو نہیں گیا ہوں۔“

”یہ تو بہت بُرا بھاٹ ہائے۔“ مس آسبورن سر ہلا کر بولی۔ ”ٹم کو اپنے بھائی کے پاس ضرور جانا چاہیے۔“

”بھائی پھیرو میرا بھائی نہیں ہے۔“ رشید بٹ مسکرا کر بولا۔ ”یہ لاہور کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔“

تین چار گھنٹے کیفے ڈی جٹ میں خوب گہما گہمی رہی۔ رشید بٹ نے 60,50 کے قریب گا ہک بھگتائے اور اسے 300 روپے بخشیش (ٹپ) ملی۔ پھر آہستہ آہستہ گا ہکوں کا رش ختم ہو گیا اور آخر کار کیفے ڈی جٹ میں صرف بٹ اور جٹ رہ گئے۔

”یار جٹ!“ بٹ کاؤنٹر کے قریب اسٹول پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”کڑکی سے تو یہ کام اچھا۔ 300 روپے بخشیش ملی۔ یار جٹ، تم مجھے یہیں نوکر کرادو۔“

”ٹھیک ہے!“ جٹ نے کہا۔ ”اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں جمیل جٹ سے بات کروں گا۔“

ان کی گفت گو جاری تھی کہ کیفے ڈی جٹ کا دروازہ کھلا اور ادھیڑ عمر کا ایک آدمی کندھے پر تھیلا لٹکائے اندر داخل ہوا۔

”جمیل جٹ کا بڑا بھائی!“ انور جٹ نے رشید بٹ کے کان میں کہا۔ ”میں شرط لگاتا ہوں، یہ وہی ہے۔“

”تمہارا خیال درست ہے۔“ رشید بٹ بولا۔ ”چلو، اس کا استقبال کریں۔“

”السلام علیکم!“ انور جٹ نے آگے بڑھ کر اس آدمی سے کہا۔ ”آپ غالباً مسٹر جمیل جٹ سے ملنے آئے ہیں۔“

”جی ہاں، جی ہاں!“ آدمی نے تھیلا میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”وہ کہاں ہیں؟“

”گو جرانوالہ گئے ہیں۔ آپ تشریف رکھیے۔ بس آتے ہی ہوں گے۔“

”میں یہاں تشریف رکھنے نہیں آیا ہوں۔“ آدمی نے کہا۔ ”مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔ کل آ جاؤں گا۔“ یہ کہہ کر وہ

جانے لگا۔

بٹ نے اسے پکڑ لیا اور بولا۔ ”دیکھئے جناب، آپ کا جو بھی کام ہو، آپ کو تھوڑی دیر، بس تھوڑی سی دیر انتظار کرنا پڑے گا۔ آئیے، سٹنگ روم میں تشریف لائیے۔“

”کیا سٹنگ روم میں کوئی پائپ.....“ آدمی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ انور جٹ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”ہاں، ہاں! آپ شوق سے وہاں پائپ پیجئے، سگار پیجئے، سگریٹ پیجئے جو چاہے پیجئے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“

یہ کہہ کر اس نے اس آدمی کو سٹنگ روم میں دھکیلا اور باہر سے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔

اسی وقت کیفے کا دروازہ کھلا اور جمیل جٹ ادھیڑ عمر کے ایک آدمی کے ساتھ اندر آیا۔ جٹ اور بٹ دوڑ کر اس کے پاس گئے۔

رشید بٹ بولا۔ ”آپ کے بڑے بھائی تشریف لے آئے ہیں۔ ہم نے انہیں سٹنگ روم میں بند کر دیا ہے۔“

”میرے بڑے بھائی؟“ جمیل جٹ حیرت سے بولا۔ ”میرے بڑے بھائی تو یہ ہیں۔“ اس نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا جو اس کے ساتھ آیا تھا۔

”اگر یہ آپ کے بھائی ہیں تو وہ کون ہے جسے ہم نے سٹنگ روم میں بند کر دیا ہے؟“ رشید بٹ نے کہا۔

اسی لمحے سٹنگ روم کے اندر سے دروازہ زور زور سے پیٹا جانے لگا۔ جمیل جٹ نے لپک کر دروازہ کھولا تو اندر سے بڑے میاں لڑکھڑاتے ہوئے باہر نکلے۔

”ارے!“ جمیل جٹ زور سے اچھل کر بولا۔ ”یہ تو پائپ مرمت کرنے والا ہے۔ اسے میں نے بلایا تھا۔ کچن میں پانی کا ایک پائپ لیک کر رہا ہے۔“

”لا حول ولا قوۃ!“ رشید بٹ بولا۔ ”ارے بڑے میاں، آپ نے ہمیں بتایا کیوں نہیں؟“

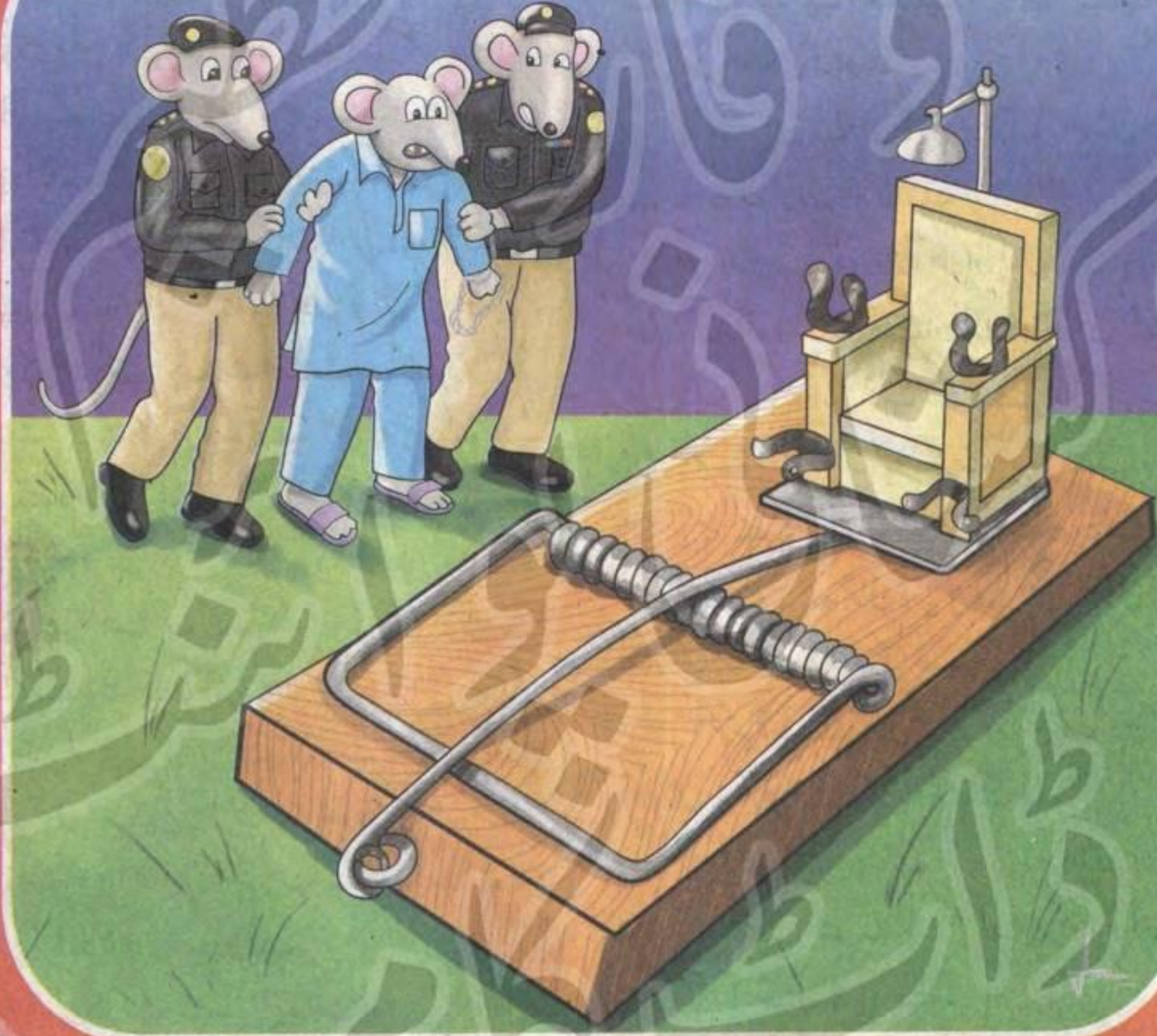
”میں تو بتانا چاہتا تھا.....“ بڑے میاں بولے۔ ”تم نے مجھے مہلت ہی نہ دی۔ کمرے میں دھکا دے کر دروازہ بند کر دیا۔“

ہا ہا ہا! ہو ہو ہو! ہی ہی ہی! سب ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجئے اور 500 روپے کی کتب لیجئے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 ستمبر 2013ء ہے۔

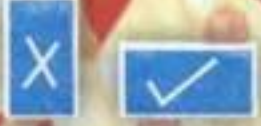
بلا عنوان



اگست 2013ء کے ”بلا عنوان کارٹون“ کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، اُن میں سے مجلسِ ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، اُن عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔



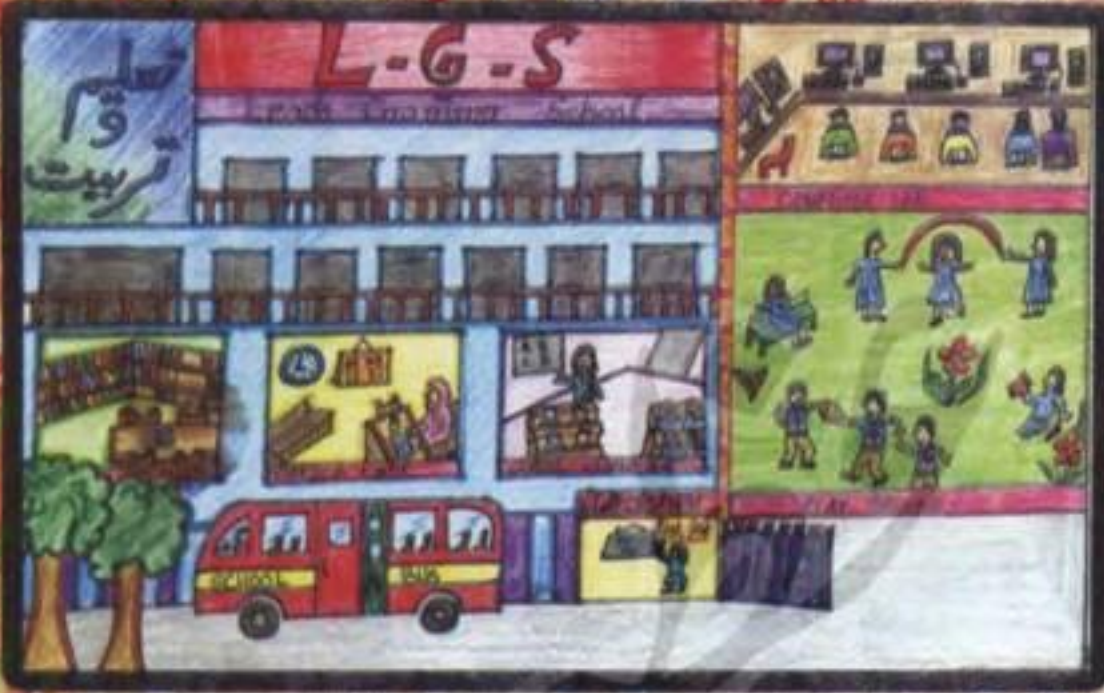
- ▶ بچے کر رہے ہیں انتظار، ناشتہ کرو جلدی تیار۔ (مدثر اشرف قائم خانی، میرپور خاص)
- ▶ مرغا انڈے پکاتا جائے، مرغی شور مچاتی جائے۔ (حذیفہ مرتضیٰ، ایبٹ آباد)
- ▶ مرغا انڈوں کا شوقین، یہ ہے مرغی کی توہین۔ (زویا نوید، واہ کینٹ)
- ▶ مرغا کھانا پکائے، مرغی حکم چلائے۔ (آمنہ ندیم، اسلام آباد)
- ▶ مانو آپا جلدی سے آؤ، بڑا مزہ آرہا ہے۔ (ناعمہ تحریم، کراچی)



تصاویر صرف افقی رخ میں ہی بنائیں۔

اسکول

ہونہار مصور



منزل عامر، لاہور (دوسرا انعام: 150 روپے کی کتب)



اسد علی انصاری، ملتان (پہلا انعام: 175 روپے کی کتب)



مریم جاوید، لاہور (چوتھا انعام: 100 روپے کی کتب)



ماہ رخ ناصر، سرگودھا (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)



سیف اللہ، ذمیرہ اسماعیل خان (چھٹا انعام: 75 روپے کی کتب)



سمہ عروج، لاہور (پانچواں انعام: 90 روپے کی کتب)

کچھ ایچہ مصوروں کے نام یہ ذریعہ قریب اندازاً: زویا نوید، واہ کینٹ۔ سلمان علی اعوان، راول پنڈی۔ ارحم فراز، گوجرانوالہ۔ محمد عبداللہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ محمد وقار وحید، مخمورکوٹ۔ ام زینب، جہلم۔ انس نعیم، گوجرانوالہ۔ اریبہ محمود، سرگودھا۔ حبیب اللہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ محمد ابو ہریرہ، علی پور چٹھہ۔ رمشاء عمران، پشاور۔ سید اشہد امان بخاری، دریا خان۔ ماریہ خان، لاہور۔ عارف، لاہور۔ عظمیٰ شہزادی، اقصیٰ شہزادی، گجرات۔ اریبہ نواز، کراچی۔ لاریب انصاری، کراچی۔ وانیہ، کراچی۔ حسن سردار صدیقی، لاہور۔ شفاء فاطمہ، لاہور۔ ذہا فاطمہ، لاہور۔ محمد عبداللہ اسلام آباد۔ امامہ امین، گوجرانوالہ۔ اشعر فراز، گوجرانوالہ۔ عبداللہ شاہ، فاروق آباد۔ شاہد عقیل، لاہور۔ اروب ملک، لاہور۔ ملائکہ آصف، لاہور۔ کینٹ۔ سارہ فاطمہ، مہراں والی۔ محمد سہیل، علی پور۔ صفیر حسین، سرانے سدھو۔ آمنہ عرفان، لاہور۔ زین العابدین شاہ، خان پور۔ محمد افضل انصاری، لاہور۔ علی فیاض، اسلام آباد۔ محمد...

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتا لکھے اور اسکول کے پرنسپل یا ہیڈ ماسٹر سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

انعام کا موزون
جائزہ اور امانت مل جائے

ممبر کا موزون
ممبر کا نام

آخری تاریخ 18 اکتوبر

8 ستمبر